اُن کے کارنامے

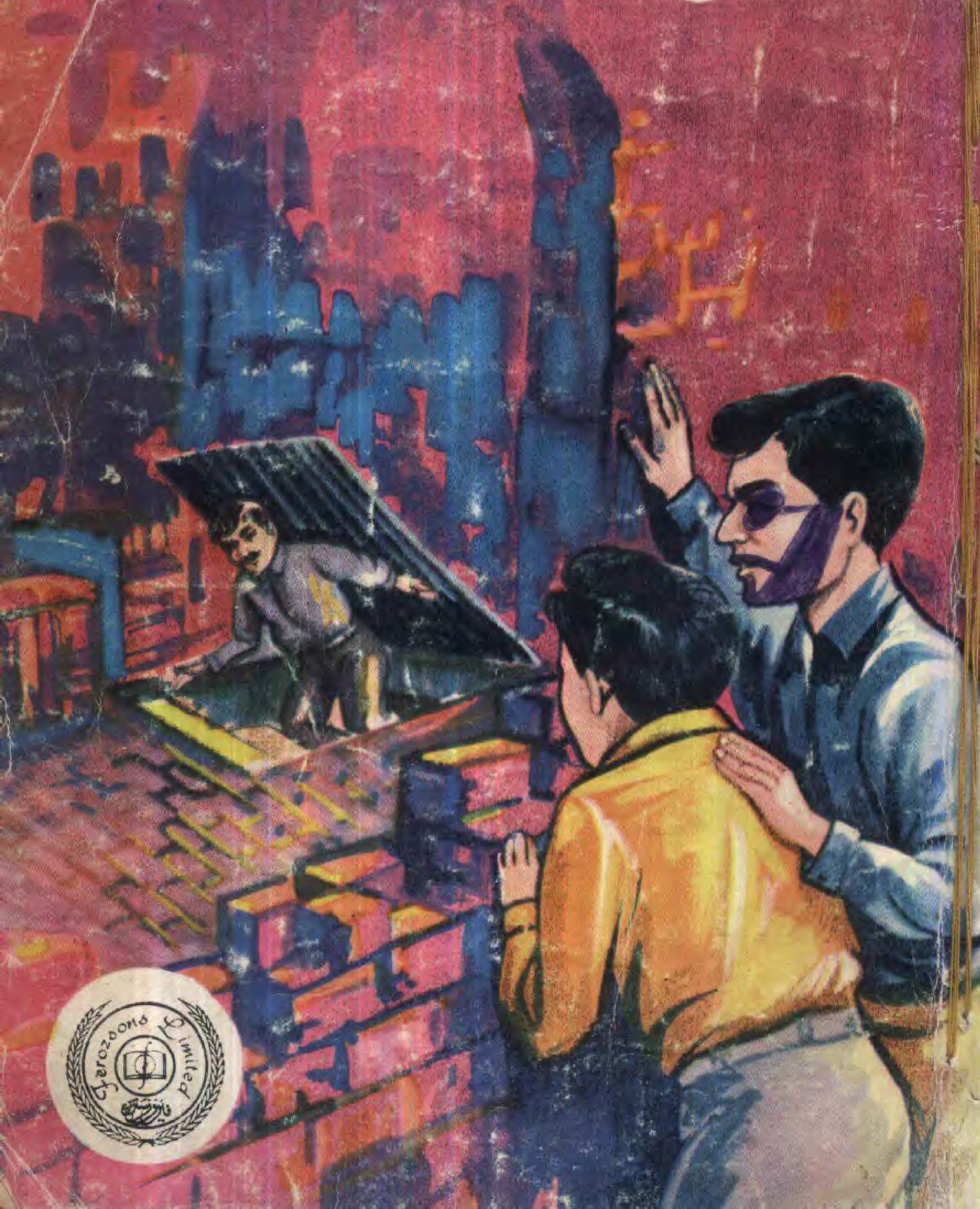

اُن کے کارنامے

بچّوں کے لیے

اِشتیاق احمد

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی کراچی

پہلی بار	1974
تعداد	3000
قیمت	2.50

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر

پہلا کارنامہ

محمود اور فاروق سکول سے نکلے تو انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک شخص بدحواسی کے عالم میں دوڑ رہا تھا اور دوسرا باز کی مانند اس پر جھپٹ رہا تھا۔ پہلے آدمی کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی طرح اس کے چنگل سے نکل جائے جب کہ پیچھا کرنے والا اسے دبوچ لینا چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ محمود اور فاروق سے تھوڑے فاصلے پر ہو رہا تھا۔ بہت سے دوسرے طالب علموں کی نظر بھی اس بلی چوہے کے کھیل پر پڑی مگر انھوں نے اسے معمولی کھیل یا مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دی۔

محمود اور فاروق انسپکٹر جمشید کے بیٹے تھے۔ سُراغ رسانی کے جراثیم انھیں اپنے باپ سے ملے تھے۔ وہ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیا ماجرا ہے!" محمود بولا۔

"مجھے تو کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔" فاروق نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اگلا آدمی بُری طرح بدحواس ہے۔"

"کیوں نہ اس کی مدد کی جائے۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"ہوسکتا ہے یہ دونوں دوست ہوں اور آپس میں مذاق کر رہے ہوں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تمہیں پہلے آدمی کے چہرے پر خوف نظر نہیں آتا۔"

"ہوں! تو پھر کیا کیا جائے؟"

"دیکھتے ہیں یہ دوسرا آدمی کرتا کیا ہے۔ ابھی تک تو پہلا اس کے قابو میں آیا نہیں۔"

"لیکن جلد ہی وہ اس کے قبضے میں ہوگا کیوں کہ وہ بہت کمزور ہے۔"

اچانک پچھلے آدمی نے ایک لمبی جست لگائی اور اگلے پر جا پڑا۔

نیچے دبنے والے کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

محمود اور فاروق اس وقت گھنے درخت کی آڑ میں کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔

"کیا یہ اسے مار ڈالنا چاہتا ہے؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"پھر ہمیں اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہیئے۔"

"لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی ڈنڈا بھی نہیں۔" محمود نے مایوسی سے کہا۔

"ہم اپنے بستوں کو کام میں لا سکتے ہیں۔ کتابوں سے بھرا ہوا بستہ گھما کر سر پر مارا جائے تو کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔"

"تو پھر چلو۔"

ابھی وہ درخت کی آڑ سے نکلے بھی نہ تھے کہ اوپر والے نے نچلے آدمی کی کلائی اپنی گرفت میں لے لی اور اسے مروڑنے لگا۔ دوسرا آدمی درد سے کراہا۔ ساتھ ہی اوپر والا اٹھ کھڑا ہوا اور مڑی ہوئی کلائی کی وجہ سے نچلے آدمی کو بھی اس کے ساتھ ساتھ اٹھنا پڑا۔

"چلو! آگے بڑھو۔" اس نے اس کی کمر پر گھٹنا مارتے ہوئے کہا۔

محمود اور فاروق کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ انہیں اس لمبے چوڑے نوجوان پر غصہ آ رہا تھا۔

"اُف کتنا ظالم ہے۔" محمود نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ہاں! بہت سنگدل ہے میں حیران ہوں کہ یہ چاہتا کیا ہے۔"

"کیوں نہ ہم ان کے پیچھے چلیں۔" محمود نے کہا۔

"امی اور ابو ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ایسی حالت میں تم گھر جانا پسند کرو گے؟"

"اباجان ہمیں پہلے بھی اس قسم کے جھمیلوں میں پھنسنے سے منع کر چکے ہیں۔"

"لیکن اس وقت ایک انسان مصیبت میں ہے۔"

"پھر؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم دونوں مل کر بھی اس لمبے چوڑے جوان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔"

وہ دونوں کافی دور جا چکے تھے تاہم نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے۔ محمود اور فاروق ان کا تعاقب کرنے لگے۔ وہ لوگ اب اس انداز سے چل رہے تھے کہ پاس سے گزرنے والے بھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ کر سکیں۔ ویسے بھی یہ گرمیوں کی دوپہر تھی اور اکّا دکّا آدمی ہی آ جا رہا تھا۔

چلتے چلتے محمود کو خیال آیا۔ "کہیں ہم پھنس نہ جائیں؟"

"کیا مطلب؟"

"خدا جانے یہ شخص اس کو کہاں لے جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں جا کر ہم خود بھی پھنس جائیں۔"

"تو کیا کیا جائے؟"

"سوچو کوئی تدبیر" محمود بولا۔

"میری تو عقل دنگ ہے۔ کیا سوچوں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"لیکن میرا ذہن اس وقت خوب کام کر رہا ہے۔"

"کیا کوئی ترکیب سوجھ گئی ہے؟"

"ہاں۔"

"تو بتاتے کیوں نہیں؟" فاروق جھنجھلا گیا۔

"ہم ابھی سکول سے زیادہ دور نہیں آئے۔ اگر ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو ابّا جان ہمیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئیں گے۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم کوئی اشارہ ان کے لیے چھوڑتے جائیں۔"

"مثلاً؟"

"میں اپنی ایک کتاب یہاں گرا دیتا ہوں بلکہ واپس جا کر سکول سے ذرا فاصلے پر گرا دیتا ہوں۔ آگے چل کر دوسری کتاب گرا دوں گا۔ اسی طرح تمام راستے کتابیں گراتا جاؤں گا۔ جب میری کتابیں ختم ہو جائیں گی تو پھر تمہاری کتابوں کی باری آئے گی۔"

"ترکیب تو اچھی ہے لیکن کہیں ہم اپنی کتابوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ کوئی راہ گیر بھی تو انہیں اٹھا سکتا ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"راہ گیر بھی ایک کتاب اٹھا سکتا ہے مگر جب تھوڑے فاصلے پر دوسری کتاب پائے گا تو وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"نہیں بھئی۔ ترکیب کچھ جچتی نہیں۔ کیوں نہ ہم کاغذ کے پرزوں پر اپنے نام لکھ کر گراتے جائیں۔" فاروق نے کہا۔

"کاغذ کے پرزے ہوا سے اڑ جائیں گے۔" محمود بول اٹھا۔

"اس کے لیے ہم سڑک کے کنارے پڑے ہوئے پتھر کام میں لا سکتے ہیں۔"

"ویری گڈ! تم تو کہتے تھے میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے۔"

"اب کر رہا ہے۔"

"تو پھر جلدی کرو۔ کہیں وہ نکل نہ جائیں۔"

انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید کھانے پر محمود اور فاروق کے منتظر تھے۔

انسپکٹر جمشید نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "اڑھائی بج رہے ہیں اور وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے۔"

"خدا جانے کیا بات ہے۔ روز تو ڈیڑھ بجے تک آ جاتے ہیں۔"

"ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔"

"ہاں! میرا دل بھی دھڑک رہا ہے۔ آپ سکول جا کر کیوں نہیں پتا کرتے۔"

"اب یہی کرنا پڑے گا۔ انھیں کتنی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑایا کرو مگر وہ باز ہی نہیں آتے۔"

بیگم صاحبہ کچھ نہ بولیں۔ ان کے چہرے پر فکر کے بادل تھے۔ انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے اُٹھے، باہر جانے کے لیے لباس پہنا اور دوسرے ہی لمحے وہ اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھے سکول کی طرف اُڑے چلے جا رہے تھے۔

سکول کے چوکیدار نے بتایا کہ سب لڑکے جا چکے ہیں۔ سکول میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ انسپکٹر جمشید سخت حیران تھے۔ وہ بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ سوچتے وقت ٹہلنا ان کی عادت تھی۔ اچانک ان کی نظر کاغذ کے ایک پرزے پر پڑی جو ایک پتھر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ وہ دونوں بیٹوں کی ذہانت سے واقف تھے۔ تیزی سے کاغذ کے پرزے کی طرف بڑھے۔ کاغذ کے پُرزے پر لکھا تھا:

"اسی سڑک پر چلے آیئے۔" پُرزے پر نیچے دونوں کے نام بھی درج

تھے۔ انسپکٹر جمشید نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور اسی طرف چل پڑے۔ راستے میں انھیں اس قسم کے اور پُرزے بھی نظر آئے۔ لیکن انھوں نے پُرزوں کو پڑھنے میں وقت برباد کرنا مناسب نہ سمجھا اور آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ آبادی سے دور نکل آئے۔ کاغذ کے پرزوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ لمحہ بہ لمحہ ان کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

کافی دور جا کر جنگل میں انھیں ایک ٹوٹا پھوٹا مکان نظر آیا۔ مکان کیا تھا بس ایک کھنڈر تھا اور اس کھنڈر کے سامنے کاغذ کا ایک پُرزہ انسپکٹر جمشید کو لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔ انھوں نے فوراً ہی موٹر سائیکل کا انجن بند کیا، نیچے اترے اور پُرزہ اٹھا لیا، لکھا تھا:

"ہم اندر داخل ہو رہے ہیں۔"

"آخر یہ شخص اسے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟ آبادی کا سلسلہ تو ختم ہو چکا ہے۔"

"خدا جانے کیا چکر ہے۔"

"کیوں نہ ہم واپس چلیں۔"

"اب یہاں تک آئے ہیں تو دیکھ کر ہی جائیں گے کہ کیا معاملہ ہے۔" محمود نے کہا۔

اچانک انھیں ایک کھنڈر نظر آیا اور انھوں نے دیکھا کہ وہ دونوں شخص کھنڈر میں داخل ہو رہے ہیں۔

"لو بھئی ان کی منزل تو آگئی۔"

"اب ہم کیا کریں؟"

"اندر چل کر دیکھیں گے۔ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے کاغذ کا ایک پُرزہ یہاں رکھ دو ورنہ ابا جان آگے نکل جائیں گے۔"

محمود نے کاغذ کا پُرزہ پتھر کے نیچے دبا دیا اور دونوں بسم اللہ پڑھ کر کھنڈر کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک بہت ہی پرانی عمارت تھی۔ جگہ جگہ مکڑی کے جالے تنے تھے۔ دیواریں خستہ حالت میں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اب گریں کہ اب گریں۔

"یہ گھرر گھرر کی آواز کیسی ہے؟" فاروق بولا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مشین چل رہی ہے۔"

"لیکن یہاں تو کوئی مشین نہیں ہے اور نہ وہ دونوں ہی نظر آ رہے ہیں۔"

انھوں نے ساری عمارت دیکھ ڈالی مگر ان دونوں کا کہیں پتا نہ تھا۔

"حیرت ہے! وہ ہمارے سامنے اندر داخل ہوئے تھے۔ پھر کہاں چلے گئے؟"

واقعی، کمال ہے! کہیں وہ عمارت کے پچھلے حصے سے نہ نکل گئے ہوں؟"

وہ عمارت کے عقب میں آئے لیکن انھیں باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

"وہ دونوں ضرور اندر ہی کہیں موجود ہیں۔"

"چلو ایک بار پھر دیکھ لیتے ہیں۔"

دونوں پھر کھنڈر میں آگئے۔ ابھی وہ اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک کھڑکھڑاہٹ سی ہوئی۔ وہ چونک اٹھے۔ لکڑی کا ایک تختہ جس کا رنگ فرش کی مانند تھا اوپر اٹھ رہا تھا۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

انھوں نے دیکھا کہ تختے کے نیچے ایک زینہ ہے۔ تہ خانے کے زینے سے باہر آنے والا وہی لمبا تڑنگا نوجوان تھا جو اس شخص کو پکڑ کر لایا تھا۔

جونہی اس کی نظر ان دونوں پر پڑی وہ چونک اٹھا:

"کون ہو تم؟"

"جی ... جی ... ہم ... ہم .... طالب علم ہیں۔ راستہ بھول کر ادھر آ نکلے۔" محمود نے جلدی سے بات بنائی۔

"ہوں۔ راستہ بھول کر ادھر آ نکلے۔ میں نے دو تین دفعہ پیچھے مُڑ کر دیکھا تھا۔ تم دونوں ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ..... ہم تو ....."

"خاموش رہو اور میرے ساتھ نیچے چلو۔"

نیچے پہنچ کر دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہاں تین پریس کی مشینیں چل رہی تھیں اور ان پر تقریباً دس بارہ آدمی کام کر رہے تھے۔ ان میں وہ شخص بھی تھا جو ابھی پکڑ کر لایا گیا تھا۔ مشینیں دھڑا دھڑ جعلی نوٹ چھاپ رہی تھیں۔ مشینوں پر کام کرنے والوں کے علاوہ وہاں تین آدمی اور بھی تھے جو کرسیوں پر بیٹھے تاش کھیلنے میں مشغول تھے۔

"لو، اب تم دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہو، مشینوں پر کام کرنا سیکھو اور خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی۔ تم نے دیکھا ہی ہے کہ میں اس بھگوڑے کو کس طرح آسانی سے پکڑ لایا ہوں۔ اب اسے دو وقت کے بجائے ایک وقت کھانا دیا جائے گا۔"

اب سارا معاملہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا۔ دونوں لڑکوں کا دل بیٹھنے لگا۔ ان کا جی چاہا کہ خوب روئیں مگر خود کو سنبھالے رکھا۔ کرسیوں پر بیٹھے تینوں آدمیوں نے انھیں دیکھا اور قہقہے لگانے لگے۔

اچانک ان کے قہقہے رک گئے۔ تہ خانے کا دروازہ کھل گیا تھا اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ سیڑھیوں پر انسپکٹر جمشید نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں پستول تھا اور چہرے پر مسکراہٹ۔

بدمعاشوں کے ہاتھ فوراً جیبوں کی طرف بڑھے۔

"خبردار! اگر تم میں سے کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو فوراً گولی مار دوں گا۔"

یکایک ایک فائر ہوا اور پستول انسپکٹر جمشید کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ رہا۔

"بہت خوب! آج سے انسپکٹر جمشید بھی یہاں مشینوں پر کام کریں گے۔" ان میں ایک نے کہا اور چاروں ہنسنے لگے۔ ایک کے ہاتھ میں پستول چمک رہا تھا جس کا رخ انسپکٹر کی طرف تھا۔

محمود اور فاروق کی طرف اس وقت کوئی متوجہ نہیں تھا۔ محمود نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ پھر اچانک اس نے اپنا بستہ پستول والے ہاتھ پر دے مارا۔ انسپکٹر جمشید کے لیے اتنا موقع ہی کافی تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ مزدوروں نے حالات بدلتے دیکھے تو وہ بھی ان چاروں پر ٹوٹ پڑے اور جلد ہی ان پر قابو پا لیا۔

اگلے روز اس خبر کے ساتھ محمود اور فاروق کی تصویریں بھی تمام اخبارات میں چھپیں اور شام کے وقت پولیس کے بڑے بڑے افسر محمود اور فاروق کو شاباش دینے آئے۔

دُوسرا کارنامہ

فون کی گھنٹی بجی ۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا ۔ اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور انسپکٹر جمشید ابھی ابھی اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے۔

"ہیلو ! انسپکٹر جمشید سپیکنگ ۔"

وہ دوسری طرف سے کسی کی بات سنتے رہے ۔ ان کی پیشانی پر فکر کے بادل چھائے جا رہے تھے۔ جلد ہی انھوں نے "اچھا میں آ رہا ہوں" کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے ؟ خیریت تو ہے ؟" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"ڈی آئی جی نے بلایا ہے ۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا ۔"

"آج غفور بھی گھر میں نہیں ہے ۔ ہم چاروں تنہا رہ جائیں گے ۔" بیگم جمشید فکرمند ہو گئیں۔

"تو کیا ہوا ؟ فکر کی کیا بات ہے ؟ محمود، تم دروازہ اندر سے بند

کر لو۔"

"جی اچھا !" محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

انسپکٹر جمشید کے باہر نکلنے پر محمود نے دروازے کی چٹخنی لگا دی اور واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا ۔ بیگم جمشید سویٹر بننے میں مصروف ہو گئیں ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ میں لطیفوں کا مقابلہ شروع ہو گیا ۔ اس مقابلے کو ابھی چند منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

"ارے ! شاید ابا جان کوئی چیز بھول گئے ۔" فرزانہ کے منھ سے نکلا۔

"میں دیکھتا ہوں ۔" محمود دروازے کی طرف چل پڑا ۔ بیگم جمشید، فرزانہ اور فاروق منتظر نگاہوں سے راہداری کی طرف دیکھنے لگے۔

محمود نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "کیا بات ہے ابا .... جا ...."

اس کے الفاظ کا گلا گھٹ گیا ۔ دروازے میں اس کے والد نہیں بلکہ ایک بدحواس نوجوان کھڑا تھا ۔ وہ محمود کو دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا اور اندر آتے ہی دروازہ کی چٹخنی لگا دی۔

"کون ہو تم ؟" محمود نے گرج دار آواز میں پوچھا۔

"خاموش رہو ۔"

"کیوں ؟ میں کیوں خاموش رہوں ؟ تم اس طرح بلا اجازت اندر کیوں گھسے ؟"

"میرے ننھے دوست، میں مصیبت میں ہوں۔ کچھ خطرناک لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد فوراً میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔"

"کیا بات ہے محمود؟" بیگم جمشید گھبرائی ہوئی دروازے کی طرف آ رہی تھیں۔ فاروق اور فرزانہ ان کے ساتھ تھے۔

محمود نے انھیں ساری بات بتا دی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ان کی مدد کریں گے۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"کیا گھر میں کوئی اور نہیں ہے؟" اجنبی نے پوچھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ تمھاری حفاظت کے لیے ہم چاروں ہی کافی ہیں۔"

"بہت خوب۔ تب تم مجھے جلد از جلد انسپکٹر جمشید کے کمرے میں لے چلو۔" اس کا لہجہ یک لخت سخت ہو گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکے۔

"مجھے انسپکٹر کی الماری سے ایک فائل نکالنی ہے۔ جلدی کرو ورنہ میں چاروں کو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

اب انھوں نے دیکھا کہ اجنبی کے ہاتھ میں پستول تھا۔ چاروں گھبرا گئے۔

"کون ہو تم؟" بیگم جمشید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"تمھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ اگر تم نے دیر لگائی تو میں

کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ چلو!" وہ غرّایا۔

"ام — امی — م — مجھے — ڈر — لگ رہا ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" فرزانہ لڑکھڑانے لگی۔ اس پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ اگر فاروق لپک کر اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ زمین پر گر جاتی۔

"کم بخت! تو نے میری بچی کو بے ہوش کر دیا۔ وہ ڈر گئی ہے۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"اسے چارپائی پر ڈال دو۔" اجنبی نے کہا۔ وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔

اب ان کے لیے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ رات کے نو بج رہے تھے اور اس وقت انسپکٹر جمشید گھر میں نہیں تھے۔ فاروق نے فرزانہ کو کندھے پر اٹھا لیا۔

"آگے آگے چلو۔ میں تمھارے پیچھے ہوں۔ خبردار جو کوئی حرکت کی۔"

وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ فاروق نے فرزانہ کو چارپائی پر لٹا دیا۔

"اب اپنے والد کے کمرے میں چلو۔" اجنبی نے حکم دیا۔

وہ تینوں کوشش کر رہے تھے کہ وقت زیادہ سے زیادہ لگ جائے تاکہ انسپکٹر جمشید وہاں پہنچ جائیں یا پھر انھیں ہی بچاؤ کا کوئی موقع میسر آ جائے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ اس کمرے میں پہنچ گئے۔

"تو یہ ہے انسپکٹر کا کمرا - ٹھیک ہے اب مجھے الماری کی چابی دو، اس آہنی الماری کی جس میں وہ اپنی فائلیں رکھتا ہے۔"

"لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے تمام فائلیں وہ اپنے دفتر ہی میں رکھتے ہیں۔ گھر میں نہیں۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں لیکن ان دنوں ان کے دفتر میں کچھ گڑبڑ ہے اس لیے وہ ضروری فائلیں یہاں لے آئے ہیں۔" اجنبی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ بات بیگم جمشید کو بھی معلوم تھی۔

"تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" محمود نے وقت گزارنے کی خاطر سوال کیا۔

"بس معلوم ہے۔ تم چابی نکالو۔"

"یقین کرو، چابی ہمارے پاس نہیں ہے۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تمھارے پاس ہے۔ انسپکٹر یہیں کہیں چابی رکھتا ہو گا اور تم ضرور اس جگہ سے واقف ہو گی۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کرو اور چابی فوراً میرے حوالے کر دو۔"

"بہت اچھا! فاروق، تم باورچی خانے میں جاؤ اور الماری کی چابی لے آؤ۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"جی اچھا!" فاروق کمرے سے جانے کے لیے مڑا۔

"ٹھہرو! یہ کیا مذاق ہے؟ بھلا چابی بھی کوئی باورچی خانے میں رکھتا ہے؟" اجنبی چلایا۔

"تو کیا غسل خانے میں رکھنی چاہیے؟" محمود بول اٹھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، میں کہتا ہوں دیر نہ کرو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ باورچی خانے کی میز میں چابیوں کے لیے بھی ایک خانہ ہے۔" فاروق نے دل میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا وہاں چابی موجود ہے؟"

"کیوں نہیں۔ ضرور وہیں ہو گی۔"

"اچھا۔ ہم سب وہاں جائیں گے۔"

وہ چاروں باورچی خانے کی طرف چل پڑے۔ بیگم جمشید نے جو راستہ اختیار کیا، وہ فرزانہ والے کمرے میں سے ہو کر نہیں جاتا تھا۔ باورچی خانے کی میز کی دراز میں کچھ چابیاں موجود تھیں۔

"کیا ان میں الماری کی چابی بھی ہے؟" اجنبی نے بے تابی سے پوچھا۔

"جی - جی نہیں۔ ان میں تو نہیں ہے۔" فاروق نے جواب دیا۔

"پھر وہ کہاں گئی؟"

"یہاں نہ ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ ابا جان کے پاس ہو گی۔ آپ کہیں تو میں ابھی جا کر ان سے لے آؤں۔ وہ یہاں نزدیک ہی ...." محمود کا جملہ درمیان میں رہ گیا۔

"چپ رہو۔ زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں وہ اس وقت ڈی آئی جی کے گھر گئے ہیں۔"

"کمال ہے، آپ کو کیسے معلوم ہوا"؟

"خاموش - تم جھوٹ بول رہے ہو - چابی ضرور یہیں کہیں ہے - واپس اسی کمرے میں چلو - اب میں ایک منٹ کی دیر برداشت نہیں کروں گا۔"

"یعنی ایک منٹ سے زیادہ دیر برداشت کرلیں گے۔" محمود نے شوخ لہجے میں کہا۔

"پھر بولے تم؟"

"اب نہیں بولوں گا۔" محمود نے کہا۔

اور ایک بار پھر وہ اسی کمرے میں آ گئے - اجنبی نے پہلے تو خود اِدھر اُدھر چابی تلاش کی جب نہ ملی تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ٹھیک ہے، نہ بتاؤ۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے پستول بیگم جمشید کی طرف تان لیا۔

"ہم کب کہہ رہے ہیں کہ نہیں بتائیں گے - کچھ پوچھیے تو سہی۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"او بے وقوف! کتنی دیر سے الماری کی چابی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ بتاتے ہو یا یہ پسند کرو گے کہ تمھارے سامنے تمھاری ماں کو گولی مار دی جائے؟"

"اس سے پہلے ہم دونوں مرنا پسند کریں گے۔"

"تو پھر بتاؤ چابی کہاں ہے"؟

"ابا جان کے پاس۔"

"بس اب میں صبر نہیں کر سکتا۔" اس کی انگلی پستول کی لبلبی پر دباؤ ڈالتی نظر آئی۔

"ٹھہرو! میں بتاتا ہوں۔" فاروق سے نہ رہا گیا۔

"خبردار فاروق، جو تم نے بتایا۔" بیگم جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"یاد رکھو، میں بہت بے رحم آدمی ہوں۔ گولی چلانے سے دریغ نہیں کروں گا۔"

"کیا یہ کوئی تاریخ کا سوال ہے جو یاد رکھیں"؟ فاروق نے پوچھا۔

"تو تم نہیں بتاؤ گے"؟

"بتائیں گے کیوں نہیں - تم پوچھو اور ہم نہ بتائیں۔"

"تو پھر بتاؤ"؟

"بتا تو رہے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں۔"

"تو یہ لو۔" اجنبی نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید انتہائی بدحواسی کے عالم میں روانہ ہوئے تھے۔ فون پر انھیں ڈی آئی جی کی آواز سنائی دی تھی - انھوں نے کہا تھا: "میں خطرے میں ہوں۔ فوراً پہنچو۔"

آخر وہ ان کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ گئے - کوٹھی پوری طرح روشن تھی اور بظاہر کوئی گڑبڑ نظر نہیں آتی تھی - وہ تیر

کی طرح دروازے کی طرف بڑھے۔ دوسرے ہی لمحے وہ کال بیل بجا رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کا ہاتھ پتلون کی جیب میں پڑے ریوالور کی بلبلی پر تھا۔ ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔

"آپ! صاحب سے ملنا ہے؟" ملازم نے انھیں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا مطلب؟ .... کیا یہاں سب خیریت ہے؟" وہ چونک اٹھے۔

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔"

"بھئی ابھی ابھی صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔"

"تب تو ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ صاحب تو شام ہی سے بیگم صاحبہ اور بچوں کے ساتھ ایک دوست کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

گھبراہٹ کے عالم میں انھوں نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور واپس طوفان کی مانند اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

"ٹھہرو! میں تمھیں چابی لا دیتا ہوں۔ صبر کرو۔" محمود خوف زدہ انداز میں چلایا۔

یہ کہہ کر وہ اپنے والد کے کوٹ کی طرف بڑھا جو دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔

"محمود، یہ تم نے کیا کیا۔" بیگم جمشید گھبرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"وہ فائل آپ کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی امی جان"

"لیکن تمھارے ابا جان کی عزت پر حرف آ سکتا ہے۔"

"ہاں، لیکن مجبوری ہے۔ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" وہ کچھ دیر تک کوٹ کی جیبوں میں چابی تلاش کرتا رہا۔ اس بہانے بھی اس نے کچھ وقت ضائع کیا۔ آخر اس نے چابی اجنبی کے حوالے کر دی۔

اجنبی نے چابی لیتے ہی الماری کا رخ کیا۔ اب وہ ایک ہاتھ سے الماری کھول رہا تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ تینوں مایوسی کے عالم میں اسے فائلیں الٹ پلٹ کرتے دیکھتے رہے۔ پھر اجنبی نے ایک فائل نکالتے ہوئے کہا۔

"مل گئی! اب پولیس میرا سراغ نہ لگا سکے گی۔ اور انسپکٹر جمشید کے لیے اس سے بڑی بدنامی کیا ہوگی کہ اس کے گھر سے فائل غائب ہو گئی! یہ پولیس کی زندگی کی بدترین شکست ہے .... ہاہاہا۔ تم تینوں اس کمرے میں رہو گے یہاں تک کہ میں گھر سے باہر نکل جاؤں، چلو دیوار کے ساتھ لگ جاؤ۔"

وہ تینوں دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ اس وقت تک وہ اجنبی کا کافی وقت ضائع کر چکے تھے۔ جو کچھ ان سے ہو سکا، انھوں نے کیا۔ اب وہ مجبور تھے۔

اجنبی الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کا منھ ان کی طرف تھا اور وہ پیچھے کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔

فرزانہ جان بوجھ کر بے ہوش ہوئی تھی۔ ایسے موقعوں پر اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرتا تھا۔ ان کے اندر داخل ہونے پر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اپنے اردگرد دیکھا اور سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیئے!

پھر وہ اپنے والد کے کمرے کی طرف گئی اور ایک کھڑکی سے کان لگا کر اندر کی باتیں سنتی رہی۔ اجنبی اس کی والدہ اور بھائیوں سے الماری کی چابی مانگ رہا تھا۔ پھر اس نے انہیں باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھا تو ایک تاریک گوشے میں اس نے خود کو چھپا لیا۔ پھر وہ سب واپس آتے نظر آئے۔ اس مرتبہ اجنبی کا لہجہ سخت تھا۔ وہ بار بار دھمکیاں دے رہا تھا۔ فرزانہ نے سوچا اب کچھ نہ کچھ کر ہی ڈالا جائے۔ ورنہ خدا جانے یہ شخص کیا کر بیٹھے۔

اپنے گھر کے نزدیک پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے موٹر سائیکل کا انجن بند کر دیا اور پیدل گھر کی طرف چل پڑے۔

ہاتھ کا دباؤ ڈالنے پر انہیں معلوم ہوا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ ان کی انگلی کال بیل کی طرف بڑھی۔ پھر وہ کچھ سوچ کر رک گئے۔ اب وہ پائیں باغ میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ محمود اور فاروق اپنے کمرے کی پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھلی رکھتے ہیں۔

کھڑکی کھلی تھی اور ان کے لیے خاموشی سے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے بھانپ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ دبے پاؤں چلتے رہے، یہاں تک کہ اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا تھا اور ایک شخص الٹے قدموں دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

وہ دل ہی دل میں مسکرائے اور دیوار کی آڑ لیکر کھڑے ہو گئے۔ ابھی تک ان کی نظر اندھیرے میں چھپی ہوئی فرزانہ پر نہیں پڑی تھی اور نہ ہی فرزانہ نے انہیں دیکھا تھا۔

اجنبی جونہی دروازے پر پہنچا انسپکٹر کا ریوالور اس کی طرف تن گیا، لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کرتے بجلی کی سی تیزی سے فرزانہ کا ڈنڈا اپنا کام کر چکا تھا۔ اجنبی کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

محمود، فاروق اور اس کی امی دروازے کی طرف بڑھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان کے دل باغ باغ ہو گئے۔

"بہت خوب!" انسپکٹر جمشید نے اوٹ سے نکلتے ہوئے کہا۔

"ارے! آپ آ گئے؟"

"ہاں۔ میں ٹھیک وقت پر یہاں پہنچ گیا تھا لیکن مجھ سے پہلے فرزانہ بازی جیت چکی تھی۔" انہوں نے اجنبی کا چہرہ

دیکھا تو چونک اٹھے۔

"اوہ!... یہ... یہ تو ایک بہت ہی مشہور مُجرم ہے۔ اس کی گرفتاری تو پولیس کے لیے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ کئی سال کی کوشش کے بعد بھی ہم اسے گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔ اس کا بہت ہی مختصر سا ریکارڈ ہمارے ہاں موجود تھا اور وہ بھی یہ لیے جا رہا تھا۔ اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو اس کا گرفتار ہونا ناممکن ہو جاتا۔"

دوسرے دن کے اخبارات میں یہ واقعہ پہلے صفحے پر شائع ہُوا۔ اس دفعہ محمود اور فاروق کے ساتھ فرزانہ کی بھی خوب تعریف کی گئی۔ شام کے وقت ڈی آئی جی صاحب ان کے گھر آئے تو انسپکٹر جمشید نے انھیں ساری کہانی تفصیل سے سنائی۔ ڈی آئی جی صاحب نے کہا:

"بھئی بہت خوب! واقعی آپ کے بچے بہت ہونہار ہیں۔ یہ ضرور اپنے وطن کا نام روشن کریں گے۔ میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہُوں۔"

تیسرا کارنامہ

انسپکٹر جمشید اپنے کمرے سے نکلے۔ شام کے پونے پانچ بج رہے تھے۔ آج وہ پندرہ منٹ پہلے ہی اُٹھ آئے تھے۔ ان کے پیچھے ان کا چپراسی رحیم بھی تھا۔ اچانک ان کی نظر اپنی موٹر سائیکل پر پڑی جس پر کوئی شخص جُھکا ہُوا تھا۔ تمام افسر اور مُلازم چار بجے جا چکے تھے اِس لیے سٹینڈ پر صرف اُن کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ وہ ہر روز دُوسروں سے ایک گھنٹے بعد جایا کرتے تھے۔

"خبردار! کون ہو تُم؟" وہ وہیں سے چلّائے۔

موٹر سائیکل پر جُھکا ہوا شخص ایک دم گھبرا کر سیدھا ہو گیا اور اِنسپکٹر جمشید کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہُوا۔

وہ پہلے تو دوڑتے ہُوئے موٹر سائیکل کے پاس آئے۔ اُسے جُھک کر دیکھا پھر چلّائے "رحیم! موٹر سائیکل کے ساتھ ایک بم بندھا ہُوا ہے۔ اِسے اِحتیاط سے کھول لو

اور سیفٹی کیچ چڑھا دو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اس شخص کے پیچھے بھاگنے لگے۔ اس وقت تک وہ کافی دُور جا چکا تھا لیکن اِنسپکٹر جمشید بھی بھاگنے کا بہت تجربہ رکھتے تھے۔ ان کے قدم برق رفتاری سے اُٹھنے لگے۔ دونوں کے درمیان فاصلہ دم بدم کم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ بات آگے بھاگنے والے نے بھی محسوس کر لی۔ پل بھر کو وہ جھجکا اور پھر اچانک پارک میں گھُس گیا۔

محمُود اور فارُوق پارک کے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ پارک کا یہ حصہ پُرسکون تھا۔ شام کا وقت تھا اور کچھ فاصلے پر مرد، عورتیں اور بچّے اِدھر اُدھر چہل قدمی سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ اکثر اس پارک میں پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

اچانک ایک شخص دوڑتا ہُوا پارک میں داخل ہُوا اور تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ دونوں ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اُسی درخت کے پیچھے اس طرح چھُپ گیا کہ پارک کے دروازے سے اندر آنے والے کو نظر نہ آسکے۔

ساتھ ہی اس کی آواز اِن دونوں کے کانوں سے ٹکرائی:

"بچّو، ایک شخص میری تلاش میں یہاں آنے والا ہے۔

وہ بڑا ظالم ہے۔ اُسے ہرگز نہ بتانا کہ میں یہاں چھُپا ہُوا ہوں۔ جُونہی وہ پارک کے اندر داخل ہوگا، میں دُوسری طرف سے نکل جاؤں گا۔"

"اچھا! تُم بے فکر رہو۔ ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔" محمُود نے جواب دیا۔

لیکن دُوسرے ہی لمحے اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پارک میں داخل ہونے والے اِنسپکٹر جمشید تھے۔ وہ دوڑتے ہُوئے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

"یہی وہ شخص ہے۔" درخت کے پیچھے سے سرگوشی میں کہا گیا "اِسے ہرگز نہ بتانا ــــ ورنہ تم دونوں کی خیر نہیں۔ سُن لیا تُم نے؟"

"ہاں۔ سُن لیا۔" فارُوق نے کہا۔

دونوں سمجھ گئے تھے کہ ان کے لیے کام کرنے کا موقع آ گیا ہے۔ اِنسپکٹر جمشید اس انداز میں آگے بڑھ رہے تھے کہ اس شخص کو درخت کے پیچھے سے نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ تھوڑی دُور جا کر وہ واپس پلٹے تو اُن کی نظر ان دونوں پر پڑی۔ تیز تیز قدموں سے چلتے ہُوئے وہ اُن کی طرف آئے۔

"تم نے اس طرف سے کسی شخص کو بھاگتے ہُوئے تو

نہیں دیکھا ؟"

"جی —— جی —— نہیں تو —— آپ کون ہیں ؟" محمود نے کہا ۔

انسپکٹر جمشید چکرا گئے ۔ پھر فوراً ہی سنبھل گئے ۔ اب وہ سمجھ چکے تھے کہ جس شخص کی انھیں تلاش ہے وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہے ۔

"اچھا، کوئی بات نہیں" اِنسپکٹر نے کہا اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے پارک سے نکل گئے ۔

اُن کے جاتے ہی وہ شخص درخت کی آڑ سے باہر نکلا اور بولا "شکریہ دوستو، تم نے مجھے ایک بڑے خطرے سے بچا لیا ۔"

"آخر بات کیا تھی ؟" فاروق نے پوچھا ۔

"یہ تمھارے جاننے کی بات نہیں ۔"

"پھر بھی —— کچھ تو بتائیں ؟"

"یہ شخص خفیہ پولیس کا اِنسپکٹر ہے ۔"

"ارے !" دونوں نے تعجب کا اظہار کیا ۔

"ہاں —— اور میں —— اب میں اپنے بارے کیا بتاؤں ۔ میں ایک خطرناک مجرم ہوں ۔ کیا سمجھے ؟" اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ۔

"مجرم ! ارے نہیں ۔ آپ مذاق کرتے ہیں ۔"

"میرے اچھے دوستو، تم نے میری جان بچائی ہے ۔ بھلا میں تم سے کیوں مذاق کرنے لگا ۔ اب چلتا ہوں ۔ کہیں وہ پھر اِدھر نہ آ نکلے ۔ مجھے پارک کے پچھلے حصے سے نکلنا چاہیے ۔ ہو سکتا ہے وہ دروازے کے آس پاس ہی کہیں موجود ہو ۔ اچھا، خُدا حافظ !"

دونوں لڑکے شش و پنج میں مبتلا تھے کہ کیا کریں ۔ انھیں معلوم تھا کہ اُن کے والد دروازے کے باہر موجود ہیں اب اگر وہ اُن کو بتانے جاتے کہ مجرم پچھلے دروازے سے نکلا جا رہا ہے تو ہو سکتا تھا کہ اِتنی دیر میں وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ۔ اس صورت میں انھیں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑتا ۔

"اب ہم کیا کریں ؟"

"کیوں نہ ہم اس کے پیچھے چلیں ۔"

"لیکن ابا جان —— وہ باہر اِنتظار کر رہے ہیں ۔"

"دیکھا جائے گا —— آؤ چلیں ۔"

دونوں اس کے پیچھے چل کھڑے ہوئے ۔ اُن کا شکار کچھ دُور سڑک پر جا رہا تھا ۔ اچانک وہ رُکا اور ایک دُکان سے سگریٹ لینے لگا ۔ سگریٹ سلگاتے وقت اُس کا

چہرہ ان دونوں کی طرف گھوم گیا۔ اب اُن کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رُکے بغیر چلتے رہیں۔ چلتے چلتے وہ اس کے قریب پہنچ گئے۔ وہ پہلے ہی انھیں دیکھ چکا تھا۔

"کیوں دوستو، کیا ارادے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی! ——— کیا مطلب؟" فارُوق نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

"تُم دونوں کہاں جا رہے ہو؟"

"اپنے گھر ——— اور کہاں جاتے۔" فارُوق نے بے دھڑک ہو کر کہا۔

"اپنے گھر ——— کہاں رہتے ہو تُم؟"

"ہم اسی سڑک پر، دائیں ہاتھ والے کوارٹروں میں رہتے ہیں۔" محمُود بول اُٹھا۔ اُسے معلوم تھا، اِس سڑک پہ آگے چل کر دائیں بائیں کوارٹر ہیں۔

"اچھا! کمال ہے! میں نے پہلے تمھیں کبھی نہیں دیکھا۔" وہ بولا۔

"کیا آپ بھی اِنھی کوارٹروں میں رہتے ہیں؟" محمُود نے پُوچھا۔

"میں ——— میں ان کوارٹروں سے ذرا آگے رہتا ہُوں۔"

دونوں سمجھ گئے کہ یہ شخص جھُوٹ بول رہا ہے اور درحقیقت یہ ان کوارٹروں میں ہی رہتا ہے۔ "تو چلو ہم ساتھ ہی چلتے ہیں۔"

"جی ہاں ——— چلیے۔" تینوں ایک ساتھ قدم اُٹھانے لگے۔

اِنسپکٹر جمشید پارک سے باہر کچھ دیر اِنتظار کرتے رہے لیکن محمُود، فارُوق یا اس شخص میں سے کوئی بھی باہر نہ نِکلا تو انھیں حیرت ہُوئی۔ ساتھ ہی اُنھیں خوف بھی محسُوس ہُوا کہ کہیں محمُود اور فارُوق کسی مُصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ وہ ان کی طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ ایک بار پھر پارک میں داخل ہُوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ اس درخت کے نیچے کوئی بھی نہ تھا۔ اُنھوں نے دُور دُور تک نظریں دوڑائیں مگر وہ دونوں کہیں نظر نہ آئے۔ دفعتہً انھیں پچھلے دروازے کا خیال آیا۔ اُنھوں نے سوچا کہیں وہ اس دروازے سے نہ نِکل گئے ہوں۔ لیکن کیوں؟ کیا وہ شخص ان کے آس پاس ہی کہیں موجُود تھا؟ اوہ! مجھے جلدی کرنی چاہیے۔

وہ تقریباً دوڑتے ہوئے پچھلے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر پہنچ کر انھوں نے سڑک پر دور تک دیکھا۔ انھیں تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ دوبارہ صدر دروازے کی طرف گئے۔ یہاں اُن کی موٹر سائیکل موجود تھی۔ انھوں نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور اس سڑک پر ڈال دی جو پارک کی پچھلی طرف سے نکلتی تھی۔

اب وہ کوارٹروں کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ محمود اور فاروق کے ذہن تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اچانک وہ دونوں ایک خوش نُما مکان کے سامنے رُک گئے۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" اس شخص نے پوچھا۔

"بس یہی ہے ہمارا گھر۔"

"اچھا بھئی، خدا حافظ!"

دونوں مکان کی طرف چل پڑے اور وہ کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ اب وہ سخت گھبرائے۔ انھوں نے سوچا تھا کہ انھیں مکان کی طرف بڑھتے دیکھ کر یہ آگے چلا جائے گا تو وہ ایک بار پھر اس کا تعاقب کریں گے تاکہ اس کے گھر کا پتا چل سکے۔ لیکن وہ اُن سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ وہ اپنا اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔

محمود اور فاروق کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اللہ کا نام لے کر اس مکان میں داخل ہو جائیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔

"کون ہو تم؟" ایک گرج دار آواز نے انھیں بوکھلا دیا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص انھیں بُری طرح گھور رہا تھا۔

"ج ج ــــ جی ــــ ہم لڑکے ہیں۔" فاروق ہکلایا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اس طرح بلااجازت میرے گھر میں گھسنے والے تم ہو کون؟"

"ہم مصیبت میں ہیں ــــ ابھی چند منٹ بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"جھوٹ۔ تم چور ہو۔"

"نہیں نہیں۔ ہم چور نہیں۔" محمود نے چہرے پر معصومیت طاری کر لی۔

"پھر کون ہو؟" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ اُس کا غصّہ کم ہو چلا تھا۔

"ہم انسپکٹر جمشید کے لڑکے ہیں اور ایک حیرت انگیز اتفاق ہمیں یہاں تک لے آیا ہے۔"

"انسپکٹر جمشید! یہ نام تو کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ ارے! کہیں تم دونوں وہ تو نہیں جنھوں نے جعلی نوٹ

چھاپنے والوں کو گرفتار کرایا تھا اور ابھی پچھلے دنوں ایک اور خطرناک مجرم بھی جن کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے؟"

"آپ نے ٹھیک پہچانا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب۔ تم کھڑے کیوں ہو؟ اندر آجاؤ۔"

"نہیں انکل، ہمیں اس وقت جلدی ہے۔ ہم ایک آدمی کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اگر ذرا بھی دیر ہو گئی تو وہ غائب ہو جائے گا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا تھا اس لیے ہم یہاں گھس آئے۔"

"بہت خوب ـــــ کیا میں تمھاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

"جی شکریہ، اگر آپ کی ضرورت پڑی تو ہم آپ کو تکلیف دیں گے ـــــ خدا حافظ!"

دونوں باہر نکل آئے اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ ان کا شکار غائب ہو چکا ہے۔

"لو بھئی! وہ تو گیا ہاتھ سے۔ اب کیا کریں؟" محمود نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں کہ اپنے گھر چلیں اور ساری کہانی ابا جان کے گوش گزار کر دیں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ چلو۔" محمود نے کہا لیکن فاروق ٹس سے مس نہ ہوا۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمھارے پاؤں زمین سے چپک گئے ہیں؟"

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ اس شخص کے اتنے جلدی غائب ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہیں کہیں آس پاس رہتا ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو..... پھر؟"

"تو ہم کیوں نہ اپنے اس نئے دوست سے اس شخص کے بارے میں معلوم کریں۔ ہم اسے اس کا حلیہ بتائیں گے۔ ہو سکتا ہے اس نے اسے کسی مکان میں آتے جاتے دیکھا ہو۔"

"ویری گڈ۔ آج تو بڑے اونچے اڑ رہے ہو۔" محمود نے تعریف کی۔

"لو آؤ۔ ایک بار پھر اندر چلیں۔"

ایک بار پھر وہ اپنے میزبان کے سامنے کھڑے تھے۔ محمود انھیں اس شخص کا حلیہ بتا رہا تھا۔ حلیہ سن کر وہ چونک اٹھا۔

"میں سمجھ گیا ـــــ وہ ضرور یہیں رہتا ہے۔ مجھے

یقین ہے وہ وہی ہے جس کا حُلیہ تم نے بتایا ہے۔ چلو میں چل کر تمھیں اس کا گھر دِکھا دُوں۔"

"جی نہیں۔ شکریہ۔ آپ ہمیں صرف مکان کا نمبر بتا دیں۔ اس کے بعد ہم خُود نبٹ لیں گے۔"

"نمبر تو مجھے معلوم نہیں — اس گلی کے آخر میں نیلے دروازے والا مکان ہے۔ دُور ہی سے نظر آ جاتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" دونوں باہر نکل آئے۔

"اب ہم سیدھے گھر جائیں گے۔" فارُوق خُوش تھا۔

"اور گھر جا کر ابّا جان کو بتائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک .. .." فارُوق کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ دوسری طرف سے اِنسپکٹر جمشید موٹر سائیکل پر چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے ہاتھ کے اِشارے سے انھیں اپنی طرف متوجّہ کیا۔

"لو بھئی، ابّا جان تو یہیں پہنچ گئے۔"

"یہ اور بھی اچھا ہُوا۔" فارُوق چہک کر بولا۔

ساری بات سُن کر اِنسپکٹر جمشید نے دونوں کو ہدایت کی:

"اب چل کر اس کے دروازے پر دستک دو۔ میں آڑ میں کھڑا رہُوں گا۔ تم اُسے کسی طرح گھر سے باہر لے آنا۔"

"جی اچھا۔" دونوں نے یک زبان کہا اور اُن کے آگے

آگے چلنے لگے۔ جب وہ اس شخص کے گھر کے سامنے پہنچے تو پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ اِنسپکٹر جمشید انھیں کہیں بھی نظر نہ آئے۔ پہلے تو وہ حیران ہُوئے پھر سمجھ گئے کہ وہ کہیں چُھپ گئے ہیں۔

محمُود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی دروازہ کھُلا۔ انھیں ایک بُوڑھی عورت نظر آئی۔

"یہاں جو صاحب رہتے ہیں، ہمیں اُن سے کچھ کام ہے۔"

"اچھا۔ ابھی بھیجتی ہُوں۔"

دوسرے لمحے وہی شخص دروازے پر آیا اور انھیں دیکھ کر بُری طرح چونکا۔

"ارے تُم! یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پہلے آپ ہماری ایک بات سُن لیں۔"

"کہو، کیا بات ہے؟"

"ذرا اس طرف آ جائیں۔" محمُود نے آہستہ سے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"جو شخص آپ کا پیچھا کر رہا تھا، اس کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا ہے۔"

"اوہ!" اس مرتبہ اس نے گھر سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔

"ہاں، اب بتاؤ — کیا بات ہے؟"

"خبردار —— ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ تمھاری کمر میں چبھنے والی چیز پستول کی نال ہے اور میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔ شاید تم جانتے ہی ہو گے۔ تم نے حرکت کی نہیں اور گولی تمھارے جسم کے پار ہوئی نہیں۔"

اس کا منھ فق ہو گیا۔ ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔

"تم مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے، اسی لیے میری موٹر سائیکل سے بم باندھ رہے تھے۔ آخر کیوں؟ کون ہو تم؟ کیا نام ہے تمھارا؟ بولو۔" انسپکٹر جمشید گرجے۔

"میں بم باندھ رہا تھا؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ لڑکھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بہت خوب — اس بم پر انگلیوں کے نشانات تمھارے علاوہ کسی کے نہیں ہو سکتے۔ تم پھنس چکے ہو۔ جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمھارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ سچ اگل دو۔"

"بہت اچھا — میرا نام افضل ہے اور یہ سب کچھ میں نے جگا سمگلر کے کہنے پر کیا ہے۔ اس کے بدلے

میں اس نے مجھے پانچ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

بیگم جمشید اور فرزانہ سخت پریشان تھیں۔ ابھی تک نہ ان کے دونوں بیٹے گھر آئے تھے نہ اُن کے شوہر۔ انھوں نے پانچویں مرتبہ فرزانہ سے کہا:

"جاؤ بھئی، ذرا جا کر ان کے کمرے میں دیکھو۔ کہیں وہ پائیں باغ کے راستے اپنے کمرے میں نہ آ گئے ہوں۔"

"جی اچھا، امی جان۔" فرزانہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھی ان کی وجہ سے سخت پریشان نظر آ رہی تھی۔ جونہی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی، اسی وقت دونوں کھڑکی میں سے کمرے میں کودے۔

"کہاں تھے تم دونوں؟ امی سخت پریشان ہیں۔ ابا جان بھی ابھی نہیں آئے۔ آج امی تم دونوں کی وہ خبر لیں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔" وہ انھیں دیکھتے ہی بولی۔

"اچھا! یہ بات ہے۔" وہ ایک ساتھ بول اٹھے۔

"بہت چہک رہے ہو۔ میں ابھی امی کو جا کر بتاتی ہوں۔"

"ضرور بتاؤ۔ بلکہ ہم خود تمھارے ساتھ چل رہے

ہیں۔" فرزانہ غصّے میں تلملاتی ہوئی واپس لوٹی:

"لیجیے امّی جان — دونوں آ گئے ہیں۔"

"کہاں تھے تم دونوں؟" امّی گرجیں۔

اسی وقت اِنسپکٹر جمشید اندر داخل ہُوئے اور مُسکرا کر بولے "نہ نہ بیگم، انھیں کچھ نہ کہنا۔ یہ میرے ساتھ آج پھر ایک کارنامہ کر کے آ رہے ہیں۔" پھر وہ محمُود اور فارُوق کی طرف متوجہ ہُوئے۔ "تمھیں یہ سُن کر خُوشی ہو گی کہ پولیس نے جگّا سمگلر کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ کم بخت چھ مہینے سے مجھے دوڑا رہا تھا۔"

دونوں نے فرزانہ کو ٹھینگے دِکھائے۔ وہ انھیں مارنے دوڑی۔ اِنسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید ہنسنے لگے۔

دُوسرے دِن کے اخبارات نے ایک بار پھر ان کی تصویریں شائع کیں۔

چوتھا کارنامہ

محمُود، فارُوق اور فرزانہ کے اِمتحانات نزدیک تھے۔ اِس لیے اِنسپکٹر جمشید نے انھیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ کسی جھمیلے میں نہ پڑیں اور صرف اپنی تعلیم کی طرف دھیان دیں۔ وہ تینوں سنجیدگی سے امتحان کی تیاری میں مصرُوف تھے۔ صُبح سکول جاتے اور واپسی پر اِدھر اُدھر دیکھے بغیر گھر آ جاتے۔

ایک شام محمُود اپنے والد کی لائبریری میں داخل ہُوا۔ اُسے سائنس کی ایک کتاب کی ضرورت تھی۔ لائبریری میں ایک الماری بچّوں کی کتابوں کی بھی تھی۔ اس الماری میں سائنس کی کتاب تلاش کرتے کرتے محمُود کی نظر ساتھ والی الماری پر گئی اور وہیں اٹک کر رہ گئی۔ اِس الماری میں کتابوں کی ایک قطار میں ایک کتاب اُلٹی لگی ہُوئی تھی۔

یہ بات عجیب تھی - کیوں کہ اس کے والد، والدہ، بہن یا بھائی سے ایسی غلطی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی - اس نے کتاب نکالی اور بے خیالی میں ورق اُلٹنے لگا - کتاب انگریزی زبان میں تھی اور ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی اس لیے اس کی سمجھ سے باہر تھی -

اچانک ایک جگہ اُس کے ہاتھ رُک گئے - اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - کتاب میں سے کچھ ورق پھاڑ لیے گئے تھے - یہ ایک بہت ہی حیرت انگیز بات تھی - چند لمحے کے لیے وہ گم صُم کھڑا رہ گیا - معاملہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا - آخر اس نے کتاب اپنی جگہ اسی طرح رکھ دی اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا - یہاں فرزانہ فاروق سے کسی بات پر جھگڑ رہی تھی - اچانک دونوں کی نظر محمود پر پڑی -

"کیا بات ہے؟ خیر تو ہے؟" فاروق نے اُس سے پوچھا -

"تم تو سائنس کی کتاب لینے گئے تھے - اپنی زبان تو لائبریری میں نہیں چھوڑ آئے؟" فرزانہ بولی -

"ایک بہت ہی حیرت انگیز بات کا پتا چلا ہے - کیا تم دونوں دیکھنا پسند کرو گے؟"

"ہرگز نہیں - ابا جان ہماری ٹنڈوں سے خبر لیں گے۔" فاروق نے کہا -

"ہاں اس دفعہ وہ ہمارے کان کھینچ کھینچ کر کم از کم ایک ایک فٹ لمبے ضرور کر دیں گے۔"

"مگر بات بہت ہی عجیب ہے۔" محمود نے کہا -

"ہو گی ــــ ابا جان خود ہی نپٹ لیں گے۔" فاروق بولا -

"ابا جان کو تو معلوم ہی نہیں۔"

"جب ابا جان آئیں، انہیں بتا دینا۔"

"تو تم نہیں سنو گے؟"

"ہرگز نہیں۔" دونوں ایک ساتھ بولے -

"ٹھیک ہے - میں بھی دیکھتا ہوں کیسے نہیں سنتے - میں ساری بات سنانے لگا ہوں ــــ میں لائبریری ......"

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے، کیونکہ فاروق اور فرزانہ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں تھیں -

"خیر، تو تم نہیں مانو گے - دیئے رہو کانوں میں انگلیاں - میں بھی چیخ چیخ کر بتاؤں گا۔" یہ کہا اور بلند آواز سے ساری بات بتا دی -

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" فاروق نے اپنے کانوں میں سے

انگلیاں نکالتے ہوئے کہا۔

"کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہے؟" فرزانہ کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک تھی۔

"چل کر دیکھ لو۔"

"معاملہ پُراسرار ہے۔ کیوں فرزانہ؟" فاروق نے کہا۔

"ہاں، اب تو دیکھنا ہی پڑے گا۔"

تینوں لائبریری میں آئے۔ محمود نے انھیں وہ کتاب کھول کر دکھا دی۔

"ٹھیک ہے۔ اس کتاب کو اسی پوزیشن میں واپس رکھ دو اور اپنے کمرے میں چلو۔" فرزانہ نے مشورہ دیا اور تینوں اپنے کمرے میں آئے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"ہم ابّا جان کو بتائیں گے تو وہ بگڑ جائیں گے۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔"

"لیکن انھیں بتائے بغیر چارہ بھی نہیں۔"

"آخر کتاب میں سے ورق کس نے پھاڑے اور کیوں؟"

فرزانہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"اس سوال کا جواب معلوم ہوتا تو سارا معاملہ ہی حل نہ ہو جاتا۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہ ضرور ہمارے کسی ملازم کی شرارت ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہمارے ہاں تین ملازم ہیں، غفور، مالی بابا اور تیسرا رشید باورچی۔ رشید بالکل نیا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام رشید کا ہے۔ کیوں نہ اس کے کمرے میں چلیں۔"

تینوں باورچی کے کمرے کی طرف آئے۔ وہ کچھ فاصلے پر ہی ٹھٹک گئے۔ رشید گھبراہٹ کے عالم میں اپنے کمرے سے نکل رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک خاکی رنگ کا لفافہ تھا۔ اُن کے نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی وہ گھر کے بیرونی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔

تینوں نے پہلے تو سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر گھر سے باہر نکل آئے۔ تھوڑے فاصلے پر رشید تیز تیز قدم اُٹھاتا چلا جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، اس کے ہاتھ میں وہی ورق ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہم دونوں چلتے ہیں۔ فرزانہ یہیں رہے گی۔"

"کیوں؟ میں یہاں رہ کر کیا کروں گی؟"

"تم گھر جا کر امّی کو بتاؤ۔ ابّا جان آئیں تو انھیں بھی

بتا دینا۔ اگر ہم تینوں ایک ساتھ کسی مُصیبت میں پھنس گئے تو کسی کو خبر نہ ہو گی۔"

"اچھّا! جیسے تمھاری مرضی" فرزانہ گھر کی طرف مُڑ گئی۔ وہ دونوں رشید کا تعاقب کرنے لگے۔

اِنسپکٹر جمشید گھر میں داخل ہُوئے۔ سب سے پہلے وہ اُن تینوں کے کمرے کی طرف آئے اور دروازے سے کان لگا دیئے تاکہ سُن سکیں کہ وہ اندر کیا کر رہے ہیں۔ کمرے میں مکمّل خاموشی تھی۔ دروازہ کھولنے پر وہ حیران ہُوئے کہ تینوں کہاں چلے گئے۔ پھر وہ تیزی سے اندر آئے۔ بیگم جمشید اپنے کمرے میں لیٹی کتاب پڑھ رہی تھیں۔

"بچّے کہاں ہیں؟"

وہ اُٹھتے ہُوئے بولیں "اپنے کمرے میں پڑھ رہے ہیں۔"

"ان کا کمرا خالی ہے۔"

"کیا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہُوں۔"

دونوں گھبرا گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے سارا مکان چھان

مارا۔ مُلازموں سے پُوچھا۔ غفُور اور مالی بابا بھی کچھ نہ بتا سکے۔

"رشید کہاں ہے؟"

"وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے باہر کہیں گیا ہے۔"

"اُف! کیا مُصیبت ہے۔ انھیں کتنی مرتبہ سمجھایا مگر وہ سُنتے ہی نہیں۔"

ایک بار پھر اُنھوں نے مکان کی تلاشی لی۔ آخر وہ لائبریری میں آئے۔ وہاں ایک جگہ ان کی نظریں اٹک گئیں۔ ایک کتاب اپنی جگہ سے ہٹی ہُوئی تھی اور اُلٹی لگی ہُوئی تھی۔ وہ بے خیالی میں اس طرف بڑھے اور کتاب اُٹھا لی۔ پھر اُن کے لبوں سے حیرت کی ایک آہ نکلی۔

رشید کو ایک کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھ کر دونوں حیران رہ گئے۔ یہ کوٹھی اُن کے گھر سے ایک میل دُور تھی۔

"اب ہمیں واپس چلنا چاہیے" فارُوق نے کہا۔

"میں اندر جا کر دیکھنا چاہتا ہُوں کہ معاملہ کیا ہے۔"

"یہ خطرناک ہو گا۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ فرزانہ ابّا جان کو سب کچھ بتا دے گی۔"

"لیکن ابا جان ہم تک کیسے پہنچیں گے ؟" فاروق نے سوال کیا ۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک اندر جائے اور دوسرا باہر انتظار کرے ۔ اگر ایک مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو دوسرا فوراً گھر جا کر ابا جان کو لے آئے ۔"

"یہ ٹھیک رہے گا ۔ میں اندر جاتا ہوں تم باہر ٹھہرو ۔" محمود بولا ۔

"اچھا !"

محمود بے دھڑک کوٹھی کے پھاٹک کے اندر چلا گیا ۔ پھر اس نے اس دروازے کو دھکا دیا جس سے ابھی ابھی رشید اندر گیا تھا ۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا ۔ سامنے ایک طویل راہ داری تھی ۔ محمود دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک کمرے کے پاس پہنچ گیا ۔ اس نے اپنا کان دروازے سے لگا دیا ۔

"تم نے وہ کام کیا ہے کہ میں ساری عمر تمہیں عیش کراؤں گا ۔" کوئی کہہ رہا تھا ۔

"لیکن سردار ، ان صفحات میں آخر ہے کیا ؟"

"بس یہ نہ پوچھو ۔"

"آخر کچھ تو پتا چلے ؟"

اچانک محمود کے شانے پر کسی نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھ دیا ۔

"کون ہو تم ؟ اور یہ کیا ہو رہا ہے ؟" محمود بوکھلا اٹھا ۔ ایک لمبا تڑنگا نوجوان اسے گھور رہا تھا ۔

"م .... میں ..... جی ...... میں ...؟... دراصل راستہ بھول کر ادھر آ نکلا ہوں ۔"

"چلو اندر ۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا ۔

مجبوراً محمود کو دروازہ کھول کر اندر داخل ہونا پڑا ۔ کمرے میں تین آدمی تھے ۔ ان میں ایک رشید تھا ۔ وہ اسے دیکھ کر چونکا ۔

"کون ہے یہ ؟" ان میں سے ایک نے گرج کر کہا ۔

"یہ دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا ۔" اس شخص نے کہا ۔

"یہ تو انسپکٹر جمشید کا لڑکا ہے ۔"

"اوہ ! یہ یہاں تک کیسے پہنچ گیا ! ضرور تم اسے اپنے پیچھے لگا لائے ہو ۔"

"ہوں ! اس کا بھائی بھی ضرور یہیں کہیں ہو گا ۔"

"جاؤ ، باہر دیکھو ۔ اگر کوئی لڑکا آس پاس موجود ہو تو اسے پکڑ لاؤ ۔" سردار نے پیچھے آنے والے سے کہا ۔

جلد ہی فاروق بھی اسی کمرے میں نظر آیا۔

"بہت خوب! ننھے جاسوسو، تم بڑے تیر مارتے پھرتے ہو۔ اب ہم تمہیں دیکھیں گے۔" دونوں خاموش رہے۔

فرزانہ ایک خفیہ مقام پر کھڑی دونوں کی عقل مندی پر خوش ہو رہی تھی کہ آج میری ضرورت نہیں پڑے گی، کیوں کہ دونوں میں سے ایک اندر گیا ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ گھبرا گئی۔ اس مکان میں سے ایک شخص باہر نکلا تھا اور پھر اس نے دیکھا کہ وہ فاروق کو گردن سے پکڑ کر اندر لے گیا۔

اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ پھر یک دم اسے ایک تدبیر سوجھ گئی۔ وہ جلدی سے ساتھ والی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ کال بیل کے جواب میں ایک بوڑھے شخص نے دروازہ کھولا۔

"کیا بات ہے بیٹی؟"

"آپ کے ہاں فون ہے؟"

"ہاں، ہے تو۔"

"بات یہ ہے کہ میں ایک مصیبت میں پھنس گئی ہوں اور اپنے گھر فون کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے فون کرنے

کی اجازت دیں گے؟"

"کیوں نہیں بیٹی، آؤ میرے ساتھ۔"

بوڑھا اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آیا۔

"کیا نمبر ہے تمہارا؟"

فرزانہ نے اسے نمبر بتایا۔ سلسلہ ملنے پر اس نے ریسیور فرزانہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ دوسری طرف انسپکٹر جمشید فون پر موجود تھے۔

"ابا جان، میں فرزانہ ہوں۔"

"اوہ! تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"ہم سخت خطرے میں ہیں — آپ فوراً غازی روڈ پر آ جائیں۔"

"میں آ رہا ہوں۔"

"ایک منٹ — محمود اور فاروق کوٹھی نمبر 315 میں داخل ہو چکے ہیں اور اب میں بھی اندر جا رہی ہوں۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے ریسیور رکھ دیا۔

"کوٹھی نمبر 315 میں کیا بات ہے بیٹی؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ البتہ اس مکان میں ضرور ناپسندیدہ لوگ رہتے ہیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ تمھیں اُس کے اندر نہیں جانا چاہیے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے بھائی مُصیبت میں ہیں؛ اور میں باہر کھڑی رہوں۔ آپ بھی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"اپنی کوٹھی کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں۔ میرے ابّو ابھی یہاں آئیں گے۔ انھیں کوٹھی نمبر 315 دکھا دیجیے۔"

"لیکن میں انھیں پہچانوں گا کیسے؟"

"ان کا نام انسپکٹر جمشید ہے، سفید کپڑوں میں ہوں گے۔"

یہ کہہ کر فرزانہ تیزی سے کوٹھی نمبر 315 کی طرف بڑھی۔

وہ اندرونی دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک گئی۔ اندر کی آوازیں اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"اِن دونوں کا یہاں تک آ جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

"اِن کا باپ انسپکٹر جمشید کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

"اور اس صُورت میں یہ ورق ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو جانتے ہو ہمارے دس ہزار رُوپے مارے جائیں گے جو ہم اس غیر مُلکی سائنس دان سے

حاصل کرنے والے ہیں۔ اِس لیے جس قدر جلد مُمکن ہو سکے، یہاں سے نِکل جانا چاہیے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"تو پھر چلنے کی تیاری کرو۔ ہم سب وگین میں چلیں گے۔"

فرزانہ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دوسری سمت میں اُسے کمرے کی ایک کھڑکی دِکھائی دی۔ وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی اور آنکھ ایک جھری سے لگا دی۔ اندر محمُود اور فارُوق بندھے نظر آئے۔ چاروں آدمی اپنا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔

"وہ ورق اس نیلے بیگ میں رکھ دو۔"

چند منٹ بعد وہ کمرے سے نکلنے کے لیے تیار تھے

اب فرزانہ نے سوچا کہ اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اِن سے پہلے وگین کی چھت پر چڑھ جائے۔ وہ حیران تھی کہ اس کے ابّا جان اب تک کیوں نہیں آئے تھے۔ اس نے چلنے کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ دروازہ ایک زور دار دھکّے سے کُھلا۔ اِنسپکٹر جمشید ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑے تھے۔

"خبردار! کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سب اپنا اپنا

سامان زمین پر رکھ کر ہاتھ اُوپر اُٹھا دیں۔

فرزانہ، محمود اور فاروق خوشی سے جھوم اُٹھے۔ اب فرزانہ بھی اکڑتی ہُوئی کمرے میں داخل ہُوئی۔ اس کی نظریں نیلے بیگ کی طرف لگی تھیں۔ وہ دبے پاؤں اس کی طرف بڑھنے لگی۔

"ان دونوں کو کھول دو۔" انسپکٹر جمشید نے رشید سے کہا۔

رشید محمود کی رسّیاں کھولنے لگا۔ جلد ہی دونوں آزاد ہو گئے۔ اِس دوران میں فرزانہ نیلے بیگ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ کوئی اس کی طرف مُتوجہ نہ تھا۔ سب کی آنکھیں ریوالور پر جمی تھیں۔

اچانک ان میں سے ایک نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگائی اور وہ اس وجہ سے فائر نہ کر سکے کہ کہیں گولی بچّوں میں سے کسی کے نہ لگ جائے۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔

"انسپکٹر جمشید! تم بازی ہار چکے ہو۔ اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اُوپر اُٹھا لو ___ خبردار! کوئی حرکت نہ کرنا۔" سردار نے ریوالور اپنے قبضے میں کرتے ہُوئے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کے رنگ اُڑ گئے۔ خود انسپکٹر

جمشید بھی فکر مند نظر آ رہے تھے۔

"نیلا بیگ اُٹھا لو رشید، اور تم تینوں چل کر ویگن میں بیٹھو۔ میں بھی آ رہا ہُوں۔" سردار نے اپنے تینوں ساتھیوں کو حکم دیا اور وہ بیگ لے کر باہر نکل گئے۔

"اب تم چاروں دیوار کی طرف مُنھ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

چاروں دیوار کی طرف مُنھ کر کے کھڑے ہو گئے۔

اب وہ دروازے سے کافی فاصلے پر تھے۔ سردار اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دروازے تک پہنچ گیا۔ پھر وہ باہر نکلا اور پھُرتی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

"میں نے اپنی زندگی میں اتنی بڑی شکست کبھی نہیں کھائی۔" انسپکٹر جمشید ان کے جانے کے بعد بولے۔

"اب ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے!"

"یہاں سے نکلنا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں آتے ہُوئے پولیس ہیڈ کوارٹر میں فون کر آیا تھا۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔ لیکن ان اوراق کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس مجھے زندگی بھر رہے گا۔ کاش میری جان چلی جاتی مگر وہ اوراق غلط ہاتھوں میں نہ پڑتے۔" انسپکٹر

جمشید بہت غمگین تھے۔

"آخر ان میں تھا کیا ابّا جان؟"

"کیا بتاؤں بیٹی، وہ کتاب مجھے میرے ایک سائنس دان دوست نے بطورِ امانت سونپی تھی لیکن اس نے اس کی اہمیّت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب اس نے فون کیا تو پتا چلا کہ ان اوراق میں ایک حیرت انگیز بم کا فارمولا لکھا ہے۔ اب اگر دُشمن نے یہ بم بنا لیا تو وہ ہماری نسبت بہت زیادہ طاقت ور ہو جائے گا۔ اُف خُدایا! یہ بہت بُرا ہُوا۔"

"ابّا جان، خُدا کا شُکر ہے کہ ہم سب محفوظ ہیں۔"

"مجھے اپنی اور تمھاری پروا نہیں ہے — ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا لیکن وہ اَوراق ان کے ہاتھ نہ لگتے۔"

"اور وہ اُن کے ہاتھ نہیں لگے۔" فرزانہ مُسکرائی۔

"کیا! کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہُوں۔ یہ رہے وہ وَرق۔" فرزانہ نے اپنی شلوار میں اُڑسے ہُوئے کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔

"اوہ! میری بیٹی، تم نے وہ کام کیا ہے کہ پُوری قوم اسے کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔"

یہ الفاظ ان کے مُنھ ہی میں تھے کہ پولیس کی گاڑی کا ہارن سُنائی دیا۔

"لو وہ آ گئے۔"

اگلے دِن پُورے مُلک میں ہر شخص کی زبان پر محمُود فارُوق اور فرزانہ کا ذِکر تھا۔

پانچواں کارنامہ

انسپکٹر جمشید کا سائنس دان دوست پروفیسر داؤد اُن کے ڈرائینگ رُوم میں بیٹھا تھا۔ انسپکٹر جمشید کے علاوہ وہاں محمود، فارُوق، فرزانہ اور بیگم جمشید بھی تھے۔ پروفیسر داؤد کہہ رہا تھا:

"یہ ٹھیک ہے کہ مُجرم میری کتاب کے ورق لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن وہ اپنی جانیں بچانے میں ضرور کامیاب ہو گئے ہیں۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہُوں انھوں نے یہ اوراق کسی غیر مُلکی سائنس دان کے اِشارے پر اُڑائے تھے۔ افسوس! اِن میں سے ایک بھی نہ پکڑا جا سکا، جس سے ہمیں اس سائنس دان کا نام معلُوم ہو سکتا۔ اب بھی ہم خطرے سے باہر نہیں ہیں۔ کیا وہ لوگ دوبارہ کوشش نہیں کریں گے؟"

"بے فکر رہیں۔ پولیس کو اُن کے حُلیے بتا دیے گئے

ہیں اور وہ زور شور سے ان کو تلاش کر رہی ہے۔ اُن کا سردار ضرور اس سائنس دان کا نام جانتا ہے۔ اس کے ہاتھ آنے کی دیر ہے۔ پھر وہ ہم سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"آخر یہ سب ہو کیسے گیا؟ مُجرموں کو اس کی ہوا کیسے لگ گئی؟" بیگم جمشید درمیان میں بول اٹھیں۔

"اس فارمولے کے بارے میں پروفیسر صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور کون جانتا تھا۔"

"میں نے اپنے اس تجربے کو سبھی سے پوشیدہ رکھا تھا۔ اور اپنے تجربات کی اس کتاب کو بھی ہمیشہ مقفّل رکھتا تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اپنے گھر میں یہ غیر محفُوظ معلُوم ہُوئی اور میں نے یہ تمھارے حوالے کر دی۔"

"حیرت ہے! پھر مُجرم کیسے اِس کے متعلّق جان گئے؟ ذرا سوچیے؟ اس مسئلے پر صرف آپ ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

"میرے تجربوں سے اگر کوئی شخص باخبر ہے تو وہ میرا اسسٹنٹ افضال ہے۔ لیکن وہ بہت عرصے سے میرے ساتھ ہے اور بہت ایمان دار ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"کتنے عرصے سے؟"

"تقریباً دس سال سے۔"

"تب یہ بات لکھ لو پروفیسر کہ وہ مجرموں کے ساتھ مل گیا ہے۔" اِنسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ مجھے اُس پر مکمّل اِعتماد ہے۔"

اسی وقت کسی نے کال بیل بجائی۔ جلد ہی غفور اندر داخل ہُوا۔

"حضور، پروفیسر صاحب کے اسسٹنٹ افضال صاحب آئے ہیں۔"

"اوہ! وہ یہاں کس لیے آیا ہے؟"

"انھیں کوئی ضروری کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اُسے یہیں لے آؤ۔"

افضال کمرے میں داخل ہُوا۔

"کیا بات ہے افضال؟ آگے آ جاؤ۔"

"شکریہ پروفیسر۔ فی الحال میرا ایسا کوئی اِرادہ نہیں۔ آپ مہربانی فرما کر ایسا کریں کہ سب لوگ اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا لیں۔" اِن الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

وہ سب چونک اُٹھے۔ افضال کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔

"تم ...... تم ...... غدّار .... بے ایمان ......

دھوکے باز۔" پروفیسر غصّے سے چلّائے۔

"وہ کاغذ میرے حوالے کر دو ورنہ اِس بار کوئی زندہ نہ بچے گا۔ تم سب کی اِطّلاع کے لیے عرض کر دوں کہ باہر میرے ساتھی موجُود ہیں۔ وہ اس وقت تک ٹیلی فون کے تار کاٹ چُکے ہوں گے۔ تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اوراق فوراً مجھے دے دو۔"

"وہ اب یہاں کہاں۔ وہ تو حکومت کے حوالے کیے جا چُکے ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ جھُوٹ ہے۔ حکومت کے حوالے کرنے کا تم لوگوں کا اِرادہ ضرور ہے لیکن ابھی تک کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ میری اِطّلاع کے مُطابق وہ ابھی اسی گھر میں ہیں۔"

"کیا رشید تمھارا آدمی تھا؟" اِنسپکٹر جمشید نے پُوچھا۔

"ہاں۔ تمھیں باورچی کی ضرورت تھی۔ میں نے ہی اُسے اس گھر میں باورچی کی ملازمت کرنے کا حُکم دیا تھا۔"

غفور کمرے کے دروازے سے لگا یہ باتیں سُن رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں اِنسپکٹر جمشید کے کمرے میں آیا۔ صُبح کسی ضرُورت کے تحت انھوں نے ٹیلی فون اپنے کمرے میں منگوا لیا تھا اور وہ ابھی تک یہیں تھا۔

اس نے فون کا ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا اور پھر

اُسے افضال کی بات کا یقین آ گیا - لائن واقعی کاٹ دی گئی تھی - اب وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا - اس نے صدر دروازہ کھولا لیکن ٹھٹک گیا - پستول کی نال اُس کے سینے کی طرف اُٹھی ہوئی تھی - "چلو اندر" یہ انھی چاروں میں سے ایک تھا جو گزشتہ روز فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے -

غفور واپس مُڑا - پستول والا اس کے پیچھے پیچھے تھا - ڈرائینگ رُوم کے دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا :

"چلو ، تم بھی اندر داخل ہو جاؤ" اور وہ بھی غفور کے ساتھ اندر داخل ہُوا -

"یہ باہر نکلنا چاہتا ہے سر !"

"ٹھیک ہے - اِس کے علاوہ گھر میں کوئی اور ہے تو اُسے بھی تلاش کر کے یہیں لے آؤ -"

"بہتر !" جلد ہی مالی "بابا" بھی وہیں نظر آیا -

"بس اب ٹھیک ہے - اس گھر کے تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو چکے ہیں - اب تم بھی یہیں میرے پاس رہو کیونکہ ایک آدمی کے لیے اِتنے آدمیوں کو پستول کے نشانے پر رکھنا ذرا مشکل ہے - باہر ہمارے آدمی چوکس ہیں نا ؟" افضال نے اپنے ساتھی سے پُوچھا -

"جی ہاں !"

"انسپکٹر جمشید ، آپ سوچ ہی سکتے ہیں کہ حالات ہمارے قابُو میں ہیں اور آپ کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اوراق میرے حوالے کر دیں - میں وعدہ کرتا ہُوں کہ آپ میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا -"

"ٹھیک ہے - ہم بازی ہار چکے ہیں - لیکن پہلے اِتنا تو بتا دو کہ تم اِن کاغذات کا کیا کرو گے ؟"

اِنسپکٹر جمشید کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا - اُدھر محمُود ، فاروق اور فرزانہ بھی اپنے اپنے دماغ لڑا رہے تھے - لیکن کسی کے ذہن میں کوئی ڈھنگ کی بات نہیں آ رہی تھی -

"میں ان اوراق کا کیا کروں گا ؟ یہ تم پُوچھ رہے ہو اِنسپکٹر ؟ سُنو ، میں اِسے ایک غیر مُلکی سائنس دان کے ہاتھ فروخت کروں گا - اس غیر مُلکی نے ان چند اوراق کی قیمت ایک لاکھ رُوپیہ لگائی ہے - کیا خیال ہے ؟ سودا بُرا نہیں ہے -"

"اور تم ان رُوپوں کے ساتھ ہی دفن ہو جاؤ گے - تم یہ کیوں بھُول گئے ہو کہ اگر دُشمن مُلک نے وہ بم بنا لیا تو ہمارا مُلک ایک خوف ناک تباہی سے دو چار ہو جائے گا - جب

مُلک ہی نہیں رہے گا تو یہ رُوپلے کِس کام آئیں گے ۔" اِنسپکٹر جمشید کا لہجہ زہریلا تھا۔

"میں اِتنا بے وقوف نہیں جتنا تُم سمجھ رہے ہو۔ غیر مُلکی سائنس دان نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا ہے۔"

"تم بے وقُوف ہی تو ہو جو ان پر اِتنا اعتماد کر رہے ہو۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں گھاٹے کا سودا ہرگز نہیں کر رہا ہُوں۔ اچھّا، بہُت وقت ضائع ہو چُکا۔ اب جس قدر جلد ممکن ہو وہ چیز میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں سختی پر اُتر آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم وہ اوراق تمھیں دینے کے لیے تیار ہیں لیکن وہ ڈرائینگ رُوم میں نہیں ہیں۔" اِنسپکٹر جمشید کی آواز بجھی ہُوئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو اِنسپکٹر؟" پروفیسر نے غُصیلے لہجے میں کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو پروفیسر، ہم کتنے بے بس ہیں۔"

"پھر بھی ہم اپنی جان دے دیں گے لیکن وہ اوراق ان کے حوالے نہیں کریں گے۔"

"تم خاموش رہو۔" افضال نے پروفیسر سے کہا۔ "ہاں اِنسپکٹر، فوراً بتاؤ وہ کِس کمرے میں ہیں۔"

"کیوں بیگم، تم نے وہ اوراق کہاں رکھے ہیں؟"

"تجوری میں۔" بیگم جمشید نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تجوری والے کمرے میں چلیں گے۔ تم آگے آگے چلو۔" افضال نے کہا۔

بیگم جمشید، اِنسپکٹر اور پروفیسر آگے آگے چل رہے تھے۔ محمُود اور فارُوق سب سے آخر میں تھے اور ان دونوں کے پیچھے افضال اور اس کا ساتھی پستول تانے چل رہے تھے۔ بیگم جمشید چونکہ سب سے آگے تھیں اس لیے انھوں نے کمرے کے پاس پہنچ کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گئیں۔ ان کے پیچھے پروفیسر داؤد اور اِنسپکٹر جمشید اندر داخل ہُوئے پھر دونوں مُلازم۔ محمُود اور فارُوق کے آگے فرزانہ تھی اور جب وہ اندر جا رہی تھی تو اس لمحے محمُود اور فارُوق یہ سوچ چُکے تھے کہ ہاری ہوئی بازی کیسے جیتی جائے۔ ان کے قدم دروازے کی چوکھٹ پر پڑے۔ دونوں مُجرم اُن سے صرف دو گز پیچھے تھے۔ انھوں نے ایک قدم اور بڑھایا اور پھر دونوں کے ذہنوں نے ایک ساتھ کام کیا۔ دونوں نے بڑی برق رفتاری سے مُڑے بغیر، دروازہ ایک دم بند کر دیا۔

یہ سب کچُھ چشم زدن میں ہُوا تھا۔ اس لیے مُجرِم

پل بھر کو گڑبڑا گئے۔ اس لمحے سے اندر والوں نے فائدہ اُٹھایا اور وہ سب دروازے پر زور لگانے لگے۔ اِتنی دیر میں اِنسپکٹر جمشید چٹخنی لگا چُکے تھے۔ کمرے کی کھڑکیاں پہلے ہی بند تھیں۔

"اپنے باقی تین ساتھیوں کو بھی اندر بُلا لاؤ۔" باہر سے افضال کی آواز سُنائی دی۔

"جی بہتر۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" بیگم جمشید نے پُوچھا۔

"سب لوگ بے فکر رہیں۔ اب ہم پہلے سے محفوظ ہیں۔ کمرے کا دروازہ بہت مضبُوط ہے۔ اِس کے ٹُوٹنے کا امکان نہیں۔"

"کیا آپ کے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

"کیوں نہیں، تم دیکھتے جاؤ۔ غفور، تم یہ میز اس روشن دان کے نیچے رکھ دو۔" غفور نے ایسا ہی کیا۔

"اب اس پر کھڑے ہو کر دیکھو۔ کیا تم روشن دان سے باہر جھانک سکتے ہو؟"

"جی نہیں۔ میز اتنی اُونچی نہیں ہے۔" غفور میز پر چڑھنے کے بعد بولا۔

"اس میز پر یہ چھوٹی میز بھی رکھ دو۔"

غفور نے ایسا ہی کیا۔ اب وہ روشن دان سے باہر دیکھ سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے اب نیچے اُتر آؤ۔"

"ابا جان، میں نہیں جانتا کہ آپ کے ذہن میں کیا تدبیر ہے۔ لیکن اس وقت مجھے بھی ایک تدبیر سُوجھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"سب مجرم اس وقت مکان کے اندر آ چکے ہوں گے۔ اس کمرے کا دوسرا روشن دان مکان کے پچھواڑے کھلتا ہے۔ اگر میں کسی طرح اس روشن دان کے ذریعے دوسری طرف اُتر جاؤں تو ضرور پولیس کی مدد لا سکتا ہوں۔"

"ترکیب تو اچھی ہے لیکن تم اُترو گے کیسے؟"

"اِس کے لیے رسّی کی ضرورت ہو گی۔"

"افسوس! اِس کمرے میں رسّی نہیں ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو میں ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔"

"دروازہ توڑ دو۔" باہر سے آواز آئی۔ اُسی وقت دروازے پر ایک زور دار دھکّا لگا۔

"اسی طرح دھکّے مارتے رہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کیسے نہیں ٹوٹتا۔" افضال نے کہا۔

مُجرم دروازے پر مُسلسل ٹکریں مارنے لگے۔ اِنسپکٹر جمشید

پہلے بڑی میز پر چڑھے، پھر چھوٹی میز پہ۔ اِس کے بعد انھوں نے روشن دان میں تھوڑی سی دراڑ پیدا کرکے باہر جھانکا۔ انھیں افضال ایک طرف کھڑا نظر آیا۔ اس کے ساتھی دروازے پر ٹکریں مار رہے تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے اُتر آئے۔ انھوں نے اپنی الماری کھولی۔ اِس میں ایک ریوالور موجود تھا۔

"کیا آپ فائر کریں گے؟" بیگم جمشید گھبرا گئیں۔

"اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ تاہم میں ان میں سے کسی کو جان سے نہیں ماروں گا۔ انھیں ہر حال میں زندہ گرفتار کرنا ہے تاکہ اس غیر ملکی سائنس دان کا پتا چل سکے۔"

ایک بار پھر وہ میزوں پر چڑھے اور انھوں نے افضال کی ٹانگ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ افضال کے مُنھ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی اس کی طرف لپکے۔ اِنسپکٹر جمشید یہی چاہتے تھے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے چار فائر اور کیے اور وہ سب ایک دوسرے کے اُوپر گر پڑے۔

فائروں کی آواز دُور دُور تک سُنی گئی۔ اِنسپکٹر جمشید کے مکان کی دیوار مسٹر شیرازی کے مکان سے ملتی تھی۔ اس وقت بیگم شیرازی گھر میں موجود تھیں۔ انھوں نے فائروں کی آواز

سُنی تو حیران رہ گئیں۔ پھر وہ فوراً ہی فون کی طرف لپکیں۔

اِتنی دیر میں افضال اپنا پستول نِکال چُکا تھا۔ اِنسپکٹر جمشید نے دیکھا تو ایک طرف ہو گئے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم زخمی ہو گئے ہیں اور اب دروازہ کھولنے کے قابل نہیں رہے، پھر بھی ہم ہار نہیں مانیں گے۔"

یہ کہہ کر افضال اور اس کے ساتھیوں نے پوزیشن لینی شرُوع کر دی۔ اب اِنسپکٹر جمشید ان پر فائر نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کا مقصد حل ہو چُکا تھا۔

پولیس کی لاری اِنسپکٹر جمشید کے گھر کے سامنے آکر رُکی۔ ان میں سے پچیس تیس سپاہی رائفلیں لیے اُترے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پُورا مکان مُحاصرے میں لے لیا گیا۔ پھر لاؤڈ سپیکر پر ہتھیار ڈالنے کا اِعلان کیا گیا۔ کُچھ سپاہی سیڑھیوں کے ذریعے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ چند منٹ بعد پانچوں مُجرم ہتھ کڑیاں پہنے ڈرائنگ رُوم میں موجود تھے۔

"اب ان سے یہ اُگلوانا پولیس کا کام ہے کہ یہ لوگ کاغذات کس کے ہاتھ بیچنا چاہتے تھے۔" اِنسپکٹر جمشید نے پولیس اِنسپکٹر سے کہا "اب تم انھیں لے جا سکتے ہو لیکن مُحتاط رہنا۔ ہو سکتا ہے ان کے غیر ملکی ساتھی انھیں چُھڑانے

کی کوشش کریں۔ ویسے اُمید نہیں کہ وہ ان کے لیے اپنی جان پر کھیلیں گے۔ وہ تو ان جیسے لوگوں کو قربانی کا بکرا بناتے ہیں۔"

انسپکٹر مجرموں کو لے کر چلا گیا تو پروفیسر داؤد نے پوچھا "کیا واقعی وہ اوراق انسپکٹر کی تجوری میں رکھے ہیں؟"

"نہیں۔ مجھے کیا پتا وہ کہاں ہیں۔" بیگم جمشید نے جواب دیا۔

"تو پھر کہاں ہیں؟"

"وہ ایک بہت ہی محفوظ جگہ پر رکھے ہیں اور بہت جلد حکومت کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ تم مطمئن رہو پروفیسر۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" پروفیسر نے کہا۔

"میں نے فون کر دیا ہے۔ ابھی حفاظتی دستے کے ساتھ ایک اعلیٰ افسر یہاں پہنچ جائے گا۔"

"بہت خوب! بھئی میں تمھارے بچوں کو مان گیا۔ واقعی جیسا سُنا تھا، انھیں اس سے بڑھ کر پایا۔ اگر یہ پھرتی سے دروازہ بند نہ کر دیتے تو اس وقت تک نہ جانے ہم پر کیا بیت چکی ہوتی۔"

"ان کی پھرتی قابلِ داد ہے — اور میں — میں تو شاید

اب بُوڑھا ہوتا جا رہا ہُوں۔ مجھے ایک منٹ کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ نیلے بیگ کو پا کر وہ دوبارہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔"

"خیر جو ہُوا بہت ہی خُوب صُورت انداز میں ہُوا۔ ایک بار پھر تمھارے بچّے بازی جیت گئے۔"

"ابّا جان، ہم چلے۔" وہ تینوں اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

"کہاں بیٹا؟" انسپکٹر جمشید نے پُوچھا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ امتحان کی تیاری کرنی ہے۔"

"اوہ! میں یہ تو بھُول ہی گیا تھا۔ میں نے تمھیں ہدایت کی تھی کہ ان دِنوں کوئی حرکت نہ کرنا اور صرف پڑھائی کی طرف دھیان دینا۔ اس کے باوجُود بھی تم....." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔ وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ اِس معاملے میں انھیں جھڑکنا مناسب نہیں۔ آخر وہ بولے:

"اچھا بھئی، تم لوگ جاؤ اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر بھی دیکھتے رہا کرو۔"

تینوں ہنس پڑے۔

چھٹا کارنامہ

تیز چلتی ہُوئی سُرخ رنگ کی کار اچانک گلی میں ایک عمارت کے سامنے رُک گئی۔ کار سے اُترنے والا جلدی میں تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہُوا عمارت میں داخل ہُوا۔ ایک بوڑھے غیر مُلکی نے اُسے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ یہاں تین غیر مُلکی موجُود تھے۔

"کیا خبر ہے؟" ان میں سے ایک نے پُوچھا۔

"ہم ایک بار پھر ناکام ہو گئے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا ہمارے ساتھی اپنے ملک کے وفادار بن گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ انھوں نے انسپکٹر جمشید کے گھر میں داخل ہونے کے بعد وہ ورق حاصل کرنے کی پُوری کوشش کی۔ لیکن خُدا جانے اندر ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا کہ تھوڑی دیر بعد وہاں پولیس پہنچ گئی اور انھیں گرفتار کر

لیا گیا۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ انھوں نے پُوری کوشش کی؟ کیا انھوں نے ہماری بتائی ہُوئی سکیم پر پوری طرح عمل کیا تھا؟ آخر پولیس وہاں کیسے پہنچ گئی جب کہ ہم نے اُن سے ......"

"انھوں نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیے تھے۔ اُن کے اندر داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد اندر سے فائروں کی آوازیں آئیں اور اس کے تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں پہنچ گئی۔"

"تعجب ہے! اِس قدر مُکمّل سکیم کے باوجُود وہ ناکام ہو گئے۔ خیر تم جا سکتے ہو۔"

"اب وہ اُن سے ہمارا نام پتا معلُوم کرنے کی کوشش کریں گے۔" آنے والے نے کہا۔

"بے فکر رہو۔ وہ یہاں کا پتا نہیں جانتے اور نہ ہمارے اصلی نام جانتے ہیں۔ تم جا سکتے ہو۔"

"جی، بہتر۔" وہ کمرے سے نِکل گیا۔

"اب ہمارا اگلا قدم کیا ہو گا؟"

"کاغذات تو ہمارے قبضے سے نِکل چُکے ہیں اور اب تک شاید حکومت کے حوالے بھی کر دیے گئے ہوں گے۔

اس لیے اب ایک دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا؟"

"ہم وہ دماغ ہی کیوں نہ چرا لیں جس نے فارمولا تیار کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پروفیسر داؤد کو اغوا کر لیا جائے۔"

"بہت خوب!"

"تو پھر اس معاملے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

پروفیسر داؤد نے اپنی کار کوٹھی کے سامنے روک لی۔ وہ انسپکٹر جمشید کے ہاں سے آ رہے تھے۔ کاغذات حکومت کے حوالے کیے جا چکے تھے اور اب انھیں اطمینان تھا۔ کار کا انجن بند کر کے وہ نیچے اتر آئے۔ کوٹھی کے دروازے پر لگی کال بیل کے جواب میں ان کی تیرہ سالہ بیٹی شائستہ نے دروازہ کھولا۔

"ابا جان، آپ نے بہت دیر لگا دی۔ میں اور امی سخت پریشان تھے۔"

"کچھ ایسی ہی بات تھی بیٹی۔ اندر چلو۔"

ماں بیٹی کے اصرار پر انھیں ساری بات بتانی پڑی۔

"انسپکٹر جمشید کے بچے واقعی بہت تیز ہیں۔ میں تو کہتی ہوں انھیں کچھ دنوں کے لیے یہاں کیوں نہیں بلوا لیتے؛" بیوی نے کہا۔

"اچھا میں بات کروں گا جمشید سے۔" اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"ارے! یہ اس وقت کون آ گیا؟" پروفیسر چونک اٹھے۔

"خدا جانے۔"

"آج شریف بھی چھٹی پر ہے۔ بیٹی، میں تو بہت تھک گیا ہوں۔ ذرا تم ہی دیکھ آؤ۔"

"جی اچھا۔"

شائستہ نے دروازہ کھولا۔ ایک غیر ملکی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"میں پروفیسر سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"آپ کا نام؟"

"رابرٹ مارٹن۔"

"میں انھیں بلاتی ہوں۔" شائستہ مڑی لیکن یہ دیکھ کر ٹھٹک گئی کہ اجنبی بھی اس کے ساتھ ہی اندر آ رہا ہے۔

"آپ کیوں اندر چلے آئے؟"

"کوئی بات نہیں - پروفیسر میرے دوست ہیں۔"

"پھر بھی آپ کو اسی جگہ ٹھہرنا چاہیے۔" شائستہ ابھی ابھی غیر ملکیوں کے بارے میں سُن چکی تھی لہٰذا اس کا سوچ میں پڑ جانا کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔

"لڑکی، زیادہ بک بک نہ کرو۔ چلو اندر۔" وہ دھیرے سے بولا۔

شائستہ گھبرا گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اجنبی کی طرف دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا خوف ناک پستول چمک رہا تھا۔

"اگر آواز نکالی تو جان سے مار دُوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے دروازے کے باہر کچھ اِشارہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دو غیر ملکی اور اندر آ گئے۔ اب تو شائستہ کے جسم سے رہی سہی جان بھی نِکل گئی۔

"چلو، قدم اُٹھاؤ۔" غیر ملکی نے آہستہ سے کہا۔

شائستہ آگے آگے اور وہ تینوں اُس کے پیچھے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پروفیسر داؤد اور ان کی بیوی کے سامنے پہنچ گئے۔ ان پر نظر پڑتے ہی پروفیسر کے مُنھ سے چیخ نِکل گئی۔

"تت ...... تم .... کون ہو تم لوگ؟"

"پروفیسر، ہم تمھیں یہ بتانے آئے ہیں کہ تمھارا فارمولا ہم نے چوری کر لیا تھا۔ تمھارا اسسٹنٹ افضال ہمارے ہاتھوں بِک گیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم وہ اوراق حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں لیکن اب بھی ہم کامیابی سے دُور نہیں ہیں۔ اب تم اپنے ہاتھوں سے ہمیں اس بم کا فارمولا لِکھ کر دو گے۔ کیوں؟ کیسی رہی؟"

"تمھارا یہ خواب کبھی پُورا نہ ہو گا۔"

"تم بھُول رہے ہو۔ تمھیں ابھی اور اسی وقت ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ تم کیسے نہیں لِکھ کر دیتے۔"

پروفیسر کو اپنا دِل ڈُوبتا ہُوا محسُوس ہُوا۔ کیا میں سچ مچ ان کے قبضے میں جانے کے بعد فارمولے کا راز اگلنے پر مجبُور ہو جاؤں گا؟ انھوں نے بیوی سے کہا:

"تم دونوں بے فکر رہو۔ میں ان کے ساتھ جا رہا ہُوں۔ اچھا خُدا حافظ!" ان کی آواز رو رہی تھی۔ انھوں نے قدم اُٹھایا ہی تھا کہ ٹیلے فُون کی گھنٹی بجی۔

پروفیسر داؤد کے جانے کے بعد بھی اِنسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے "چلو یہ

قصہ تو ختم ہُوا ۔ وہ اوراق حکومت کے حوالے کیے جا چُکے ہیں ۔ پے در پے واقعات نے ذہن اور جسم دونوں کو تھکا دیا ہے ۔ اب میں چند روز آرام کروں گا ۔" وہ کہہ رہے تھے ۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا ۔ اُف میرے خُدا ! جب بھی گزشتہ دو دنوں کے واقعات یاد آتے ہیں ، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اگر وہ فارمولا دُشمن کے قبضے میں چلا جاتا تو ـــــ تو ؟"

"خُدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہُوا ۔"

"حکومت کے پاس سے تو ان کے غائب ہو جانے کا خطرہ نہیں ؟" بیگم جمشید نے پُوچھا ۔

"امکان بہت کم ہے ۔ تاہم یہ ناممکن بھی نہیں ۔ لیکن آپ فکر مند نہ ہوں ۔ میں نے حکومت کو پُوری حفاظت کرنے کی تاکید کر دی ہے ۔"

اسی وقت محمُود ، فارُوق اور فرزانہ دروازے پر نمودار ہُوئے ۔

"تم لوگ پھر چلے آئے ؟" اِنسپکٹر جمشید نے پُوچھا ۔

"مجبُوری ہے ابا جان !" محمُود نے کہا ۔

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ ہمیں یہاں تک لے آنے والا خیال بہت خطرناک ہے ۔" اس بار فارُوق بولا ۔

"جلدی کہو ۔ کیا بات ہے ؟" اِنسپکٹر جمشید جُھنجھلا گئے ۔

"بات یہ ہے ابا جان کہ آپ نے ان اوراق کا بندوبست تو کر دیا ہے لیکن جس شخص نے فارمولا لکھا ہے اس کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کیا ۔ کیا انکل داؤد جا چُکے ہیں ؟"

"اُف میرے خُدا ـــــ !"

"جلدی سے فون کر کے دیکھیں ۔ کیا پروفیسر صاحب گھر پہنچ چُکے ہیں ؟" بیگم جمشید گھبرا گئیں ۔

اِنسپکٹر جمشید نے پروفیسر کے نمبر ڈائل کیے ۔ دوسری طرف سے گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی پھر کسی نے ریسیور اُٹھا لیا ۔

"ٹھہرو ! تم میں سے کوئی ٹیلی فون نہیں اُٹھائے گا ۔" غیر مُلکی غرّایا ۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پروفیسر سے مخاطب ہُوا "تم ریسیور اُٹھاؤ اور دیکھو دُوسری طرف کون ہے ۔ خبردار ! اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو یہیں تڑپتے نظر آؤ گے ۔"

پروفیسر نے ریسیور اٹھایا۔ ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟"

"میں پروفیسر داؤد ہوں۔ آپ کون ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"انسپکٹر جمشید۔ کیا آپ خیریت سے گھر پہنچ گئے ہیں؟"

"نہیں۔ وہ ادھر نہیں آیا۔"

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"یقین کیجیے۔ وہ یہاں نہیں آیا۔" یہ کہہ کر پروفیسر داؤد نے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا اور کس کے متعلق پوچھ رہا تھا؟"

"میرا دوست تھا۔ اپنے لڑکے کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ اب تم ہمارے ساتھ چلو۔ لیکن نہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم یہاں سے جائیں، ہمیں ٹیلی فون کے تار کاٹ دینے چاہئیں تا کہ تمھاری بیوی انسپکٹر جمشید کو فون نہ کر سکے۔"

اس کے ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر تار کاٹ دیے۔ ساتھ ہی اس نے ریسیور بھی زمین پر دے مارا۔

"بہت خوب! اب ہم اطمینان سے روانہ ہو سکتے ہیں۔

چلو پروفیسر۔"

"تو کیا تم مجھے لباس تبدیل کرنے کی بھی مہلت نہیں دو گے؟"

"نہیں۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔ کیا میں اوپر سے اپنا پائپ لے آؤں؟"

"ہاں جلدی کرو۔ جیری، تم پروفیسر کے ساتھ جاؤ۔"

پروفیسر کچھ وقت ضائع کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسپکٹر جمشید ضرور خطرے کی بو سونگھ چکے ہیں اور آتے ہی ہوں گے۔ پائپ ڈھونڈنے میں انھوں نے دو تین منٹ لگا دیے۔ جب وہ واپس نیچے پہنچے تو غیر ملکی سخت غصے میں تھا۔

"اتنی دیر لگا دی۔ اب چلو۔" وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر مجرموں کی ویگن کھڑی تھی۔ پروفیسر کو اندر بٹھا دیا گیا۔

انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"عجیب بات ہے!" وہ بولے۔

"کیا ہوا؟" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"بہت ہی عجیب بات ہے! میں نے پروفیسر سے پوچھا تھا کہ وہ خیریت سے پہنچ گئے ہیں؟ جانتے ہو اُس کے جواب میں اُنھوں نے کیا کہا؟ 'نہیں وہ یہاں نہیں آیا۔' دوبارہ پُوچھنے پر بھی انھوں نے یہی کہا۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے ان کے گھر میں ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" محمود چونک کر بولا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ محمود، فاروق، تم میرے ساتھ آؤ۔"

"ابّا جان، میں بھی چلوں گی۔" فرزانہ تیزی سے بولی

"اچھا! تم بھی آؤ۔"

چند ہی لمحوں بعد اِنسپکٹر کی جیپ پروفیسر کے گھر کے سامنے آ کر رُکی۔ عین اُسی وقت پاس ہی کھڑی ویگن حرکت میں آ گئی۔ فاروق چلّایا "ابّا جان! پروفیسر صاحب اس ویگن میں ہیں۔"

"اوہ!" اِنسپکٹر جمشید کے مُنھ سے نِکلا اور جیپ ایک بار پھر دوڑ پڑی۔

یہ تعاقب بہت جلد ختم ہو گیا۔ اِنسپکٹر جمشید نے جیپ کافی فاصلے پر روک لی تھی تاکہ مجرموں کو تعاقب کا علم

نہ ہو سکے۔ کار ایک سُرخ عالی شان عمارت کے سامنے رُکی۔ پھر اُنھوں نے کار میں سے تین غیر ملکیوں اور پروفیسر کو اُترتے دیکھا۔ پروفیسر کے ہاتھ بندھے ہُوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔

اِنسپکٹر جمشید جیپ سے اُترے اور ایک پبلک فون بوتھ کی طرف بڑھے۔ انھوں نے پولیس کو فون کر کے اس جگہ فوراً پہنچنے کے لیے ہدایات دیں۔

"میں اندر جا رہا ہوں۔ پانچ منٹ بعد محمود تم اندر آؤ گے اور اس کے پانچ منٹ بعد فاروق۔ اسی طرح فرزانہ۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

اِنسپکٹر جمشید نے دروازے کو دھکّا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اب اُن کے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ گھنٹی بجاتے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنا ریوالور نکال لیا۔ دروازہ کھولنے والا وہی بُوڑھا غیر مُلکی تھا۔ ریوالور پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا گیا۔

"خبردار! کوئی حرکت نہ کرنا۔ آگے آگے چلو۔" دونوں آگے پیچھے چلتے ہُوئے اندر داخل ہو گئے۔

"وہ لوگ پروفیسر کو جس کمرے میں لے گئے ہیں،
سیدھے اسی کمرے میں چلو۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔
کمرے کے دروازے پر پہنچ کر بڑھیا رک گیا۔ لیکن
ریوالور کی نوک کمر میں چبھنے سے اس نے دروازہ کھول
دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید گرج دار آواز میں
بولے "خبردار! کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے ہاتھ
اوپر اٹھا لو۔" وہ سب چونک اٹھے۔ انسپکٹر جمشید اندر
داخل ہو رہے تھے۔

پروفیسر ایک کرسی سے بندھے ہوئے تھے۔ مجرموں کے
ہاتھ اوپر اٹھ گئے لیکن انسپکٹر جمشید دروازے سے اندر
آنے والے غیر ملکی سے بے خبر تھے جو دبے پاؤں اُن کی
طرف قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔ اچانک اُس نے ایک
زور دار ہاتھ انسپکٹر کے ریوالور والے ہاتھ پر مارا۔ ریوالور
زمین پر آ رہا۔ فوراً ہی ان سب کے پستول جیبوں سے
نکل آئے۔

"بہت اچھے! جیری، تمھیں ضرور انعام دیا جائے گا۔
اور انسپکٹر جمشید سے آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل
کر لیا جائے گا۔ اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار۔"
غیر ملکیوں کا سردار ہنسا۔

پروفیسر کا چہرہ بجھ گیا لیکن انسپکٹر جمشید کے چہرے
پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے پیچھے مکان کا بیرونی دروازہ
کھلا چھوڑ آئے تھے اور جانتے تھے کہ محمود آتا ہی ہو گا۔
اس کے بعد فاروق اور پھر فرزانہ آئے گی۔ اس طرح
مجرموں کا کچھ نہ کچھ وقت ضرور برباد ہو گا۔ یہاں تک کہ
پولیس پہنچ جائے گی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد محمود اندر داخل ہوا۔ اس نے
کمرے کی کھڑکی میں سے جھانک کر اندر کے حالات کا جائزہ
لیا۔ پروفیسر اور اس کے والد ایک کرسی سے بندھے ہوئے
تھے۔ ان کا ریوالور اُن کے قدموں کے قریب پڑا تھا۔
اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، کھلے دروازے میں سے
اندر چھلانگ لگا دی اور ریوالور کے قریب جا گرا۔ دوسرے
ہی لمحے وہ ریوالور اٹھا چکا تھا۔

"خبردار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

ایک بار پھر اُن کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اسی وقت
فاروق اندر داخل ہوا۔

"فاروق! تم ابا جان اور پروفیسر صاحب کو کھول دو۔"
فاروق انھیں کھولنے لگا۔ جلد ہی دونوں آزاد ہو گئے۔
انسپکٹر جمشید نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریوالور محمود کے

ہاتھ سے لے لیا۔ اور بولے " شاباش! بہت اچھے "

ان کے الفاظ منھ میں ہی تھے کہ فرزانہ پولیس کے ساتھ اندر داخل ہوئی " ارے! یہاں تو کھیل پہلے ہی ختم ہو چکا ہے " اس کے منھ سے نکلا۔

واپسی پر پروفیسر انسپکٹر سے کہہ رہے تھے:

" تمھارے بچے تو حیرت انگیز طور پر پھرتیلے اور ذہین ہیں۔ ابھی کچھ دیر قبل میری بیگم انھیں کچھ دن اپنے پاس رکھنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ کیا میں انھیں چند دن کے لیے لے جاؤں "

" مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کیوں بچو، کیا تم اپنے چچا کے ہاں کچھ دن رہنا پسند کرو گے؟

" کیوں نہیں ابا جان، اور پھر ابھی چچا جان کو ہماری ضرورت بھی ہے۔ شاید ان لوگوں کے ساتھی کوئی انتقامی کارروائی کریں " فاروق بولا۔

" تم اس کی فکر نہ کرو۔ ان کی کوٹھی پر پہرے کا انتظام کر دیا جائے گا۔"

" پھر بھی ہم کچھ دن وہاں گزارنا پسند کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

ان کی جیپ تیزی سے پروفیسر صاحب کی کوٹھی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ناول

۱۰ سے 14 سال تک کے بچّوں کے لیے

افریقہ کے جنگلوں میں
بھیانک غار
سونے کا بُت
چار دوستوں کا حیرت انگیز سفر
ایک سپاہی کی کہانی
موت کی شعاع
نیلی روشنی کا راز
ان دیکھی دُنیا
تارس بلبا
ہولناک سازش
جابر خاں
حاتم طائی کے کارنامے
ناگ کا نشان
ہیروں کے چور
کیا وہ چور تھا
پیا مبو کی تلوار
چھ بُرے لڑکے
اونچی حویلی کا راز
شہزادی انجمن آرا
دُنیا کا سفر
پُراسرار آبدوز
نرگس
اندھیرا غار
خون کی ہولی

چاندی کے چور
دو یتیم
شاہین اور دشمن درندے
قیدی
مریخ کا حملہ
شاہین اور زمُرد کے چور
بونے اور دیو
گرہ کٹ
ہاتھی دانت کے چور
دولت پور میں
قزاقوں کی وادی
سونے کی وادی
ننھے سُراغ رساں
وہ کیا راز تھا
بھوت بنگلا
غیبی انسان
میرا نام منگو ہے
عالی پر کیا گزری
سلیم کی آپ بیتی
محمود پر کیا بیتی
گوریلا
خزانے کا راز
پانچ لاکھ
سندر بن کا خزانہ

چھنگو میاں کے کارنامے
شاہین کی واپسی
ویران محل
دُشمن کی سازش
نیلا طوطا
سرکس کا ہاتھی
سلیمانی خزانہ
چاند پر پہلا آدمی
زندہ لاشیں
کالا جزیرہ
لُٹیرا
منحوس قلعہ
کالا ناگ
چھانی کا مندر
رابن سن کروسو
ایک ٹانگ کا آدمی
دلاور
کلیم کے کارنامے
طوفانی جزیرہ

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور — راولپنڈی — کراچی